

جبری شادی کا شرعی حکم

(یعنی نکاح کے سلسلہ میں عورتوں کی رضا مندی کے حق، جبری نکاح کا حکم اور عورت کی رضا مندی کے بغیر نکاح کے بعد پیدا ہونے والے مسائل نیز اولیاء کی رائے کی اہمیت جیسے امور پر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بارہویں سیمینار میں پیش کئے جانے والے اہم مقالات اور طے پانے والی تجاویز کا مجموعہ)



ایفا پبلیکیشنز

جبری شادی کا شرعی حکم

ایعنی نکاح کے سلسلہ میں عورتوں کی رضامندی کے حق، جبری نکاح کا حکم اور عورت کی رضامندی کے بغیر نکاح کے بعد پیدا ہونے والے مسائل نیز اولیاء کی رائے کی اہمیت جیسے امور پر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بارہویں سمینار میں پیش کئے جانے والے اہم مقالات اور طے پانے والی تجاویز کا مجموعہ]

ایفا پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	جبری شادی کا شرعی حکم
صفحات	:	۲۲۳
کمپیوٹر کتابت	:	محمد خالد
سن اشاعت	:	جنوری ۲۰۱۰ء
قیمت	:	

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications@gmail.com

فون: 26987492، فیکس: 26981779

مجلس اولیٰ

- ۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
- ۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
- ۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
- ۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- ۵- مولانا عتیق احمد بستوی
- ۶- مفتی محمد عبید اللہ سعدی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین

جبری شادی

۹	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	ابتدائیہ:
۱۳		سوالنامہ:
۱۷		فیصلے:
۱۹	مفتی محمد عبید اللہ سعدی	عرض مسئلہ:
۳۳-۳۳۳		مقالات:
۳۵	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۱-
۳۸	مولانا زبیر احمد قاسمی	۲-
۴۲	مفتی نسیم احمد قاسمی	۳-
۴۹	مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی	۴-
۵۵	مفتی انور علی اعظمی	۵-
۵۷	مولانا اختر امام عادل	۶-

۶۷	مفتی محبوب علی وجیہی	-۷
۶۹	ڈاکٹر مروان محمد محروس المدرس الاعظمی	-۸
۹۰	مفتی محمد صدر عالم قاسمی	-۹
۹۲	مولانا خورشید انور اعظمی	-۱۰
۹۹	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	-۱۱
۱۰۱	مولانا ابوسفیان مفتاحی	-۱۲
۱۰۴	مولانا ظفر الاسلام اعظمی	-۱۳
۱۰۷	مولانا سید اسرار الحق سبیلی	-۱۴
۱۱۸	ڈاکٹر عبداللہ جویم	-۱۵
۱۲۱	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	-۱۶
۱۲۳	مفتی احمد نادر قاسمی	-۱۷
۱۳۹	مولانا عبدالاحد تارا پوری	-۱۸
۱۴۱	مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی	-۱۹
۱۴۳	مولانا محمد ابو بکر قاسمی	-۲۰
۱۴۸	مولانا محمد اقبال قاسمی	-۲۱
۱۵۹	مفتی عبدالرحیم، بارہمولہ کشمیر	-۲۲
۱۷۰	مولانا ابوالعاص و حیدی	-۲۳
۱۷۴	مفتی عزیز الرحمن بجنوری	-۲۴
۱۷۷	مولانا محمد انظار عالم قاسمی	-۲۵

۱۸۶	مولانا اعجاز احمد قاسمی	-۲۶
۱۸۹	مولانا خورشید احمد اعظمی	-۲۷
۱۹۱	مولانا بہاء الدین ندوی	-۲۸
۱۹۴	شیخ عبدالقادر عبداللہ قادری	-۲۹
۱۹۷	مولانا نیاز احمد عبدالحمید طیب پوری	-۳۰
۱۹۹	مولانا محمد اعظمی	-۳۱
۲۰۲	مولانا سلطان احمد اصلاحی	-۳۲
۲۰۴	قاضی محمد کامل قاسمی	-۳۳
۲۱۶	ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی	-۳۴
۲۱۸	مفتی شیر علی گجراتی	-۳۵
۲۲۰	مولانا محمد یعقوب قاسمی	-۳۶



ابتنائیه

احکام شریعت کی بنیاد عدل پر ہے، ”ان اللہ یأمر بالعدل والإحسان“ (سورۃ نحل: ۹۰)۔ اس نے تمام انسانی طبقات کو انصاف فراہم کیا ہے اور دنیا کے مختلف مذاہب اور نظامہائے حیات میں جو نا انصافیاں روارکھی گئی تھیں، ان کو دور کیا ہے، اور جیسے شفیق باپ اور دردمند ماں کا اپنے بچوں میں اس کی طرف زیادہ جھکاؤ ہوتا ہے جو کسی پہلو سے کمزور ہو، اسی طرح پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ یوں تو تمام عالم کے لئے رحمت تھے، لیکن اس وقت دو طبقات جو سب سے زیادہ مظلوم تھے: ”عورتیں اور غلام“، ان پر آپ کی نگاہ التفات سب سے زیادہ تھی اور آپ ﷺ نے زندگی کے آخری اوقات تک ان کے بارے میں حسن سلوک کی ہدایت فرمائی۔

اسلام سے پہلے عورت کے بارے میں تصور تھا کہ وہ بھی ایک جائداد ہے، جو چیز خود جائداد ہو اس میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وہ اپنے وجود کی بھی مالک نہیں ہوتی، اسی لئے ایک طرف عورت کو میراث سے محروم کیا گیا اور دوسری طرف شادی سے پہلے اسے باپ کی اور شادی کے بعد شوہر کی ملکیت سمجھا گیا، نہ اسے اپنے مال میں کوئی اختیار حاصل تھا اور نہ وہ اپنی ذات کے بارے میں خود مختار تھی، اسی لئے وہ خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی تھی، اولیاء اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیتے تھے، اور مہر جو عورت کا حق ہے، اس پر بھی خود قابض ہو جایا کرتے تھے۔

اسلام نے عورت کو عزت و احترام کا مقام دیا، اسے مالکانہ حقوق عطا کئے، میراث کے حق سے نوازا، اور بتایا کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہے، اولیاء اس پر کوئی رشتہ مسلط نہیں کر سکتے اور اپنی خواہش و مرضی کو اس پر زبردستی تھوپنے کا حق نہیں رکھتے، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، دوسری طرف لڑکیوں کو اس بات کی تلقین بھی کی گئی کہ اولیا کی رائے ان پر لازم نہیں ہے، لیکن وہ اس کو اہمیت دیں اور اس کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کریں، کیونکہ ان کی رائے تجربہ اور ذہنی خواہی پر مبنی ہے۔

مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کی طرف سے یہ صورتحال سامنے آئی کہ وہاں اس سلسلہ میں ایک گونہ بے اعتدالی پائی جاتی ہے، ایک طرف اولیاء کی طرف سے لڑکیوں پر رشتوں کے لئے جبر کیا جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعد کو زوجین کے درمیان تعلقات میں ناہمواری پیدا ہوتی ہے اور طلاق اور خلع تک نوبت آ جاتی ہے، دوسری طرف مغربی تہذیب کے اثر سے لڑکوں اور لڑکیوں میں اولیاء کی رائے کو اہمیت نہ دینے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور بعض اوقات نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے جذباتی فیصلے آئندہ خود ان کے لئے دشواری کا باعث بن جاتے ہیں۔

اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیرہویں سمینار منعقدہ ۱۳ تا ۱۶ اپریل ۲۰۰۷ء، جامعہ سید احمد شہید کٹولی میں ”جبری نکاح“ کا موضوع بھی شامل تھا، سمینار میں جو اہم مقالات اہل علم کی طرف سے آئے اور بہ اتفاق رائے جو فیصلہ ہوا، ان کا مجموعہ اس وقت آپ کے سامنے پیش ہے، جو عائلی زندگی کے ایک اہم پہلو کو سمجھنے میں معاون بھی ہوگا اور شخصی آزادی کے سلسلہ میں اسلام کی روشن تعلیمات کی تصویر بھی لوگوں کے سامنے آسکے گی، اس موقع سے مجھے سنگھ پر یوار سے تعلق رکھنے والے سینئر سیاستداں اور سابق وزیر اعظم ہند جناب اٹل بہاری واجپائی کی بات یاد آتی ہے جسے اردو کے علاوہ انگریزی اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا تھا کہ ”مجھے اسلام کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ لڑکی سے اجازت لئے بغیر اس کا نکاح نہیں

کیا جاسکتا۔“۔ افسوس نہ ہمارے برادران وطن نے ٹھنڈے دل سے اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کی اور نہ ہم مسلمانوں نے ان تک اس امانت کو پہنچانے ہی کی سنجیدہ کوشش کی ہے، ورنہ اسلامی تعلیمات قانون فطرت سے ہم آہنگی، عقل و مشاہدہ سے موافقت اور انسانی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت کی جہت سے نہ صرف امت مسلمہ، بلکہ پوری انسانیت کے لئے نجات و فلاح کی کلید ہے اور اس سے نہ صرف آخرت کی کامیابی متعلق ہے، بلکہ دنیا میں سکون و طمانینت کا باعث بھی ہے۔ اور شاعر کے اس شعر کا مصداق ہے:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بانی حضرت مولانا قاضی

سجاد الاسلام قاسمیؒ کو اجر جزیل عطا فرمائے، اکیڈمی کو دوام و استحکام بخشے اور اس کی یہ پیش کش

اللہ عند الناس مقبول ہو۔ واللہ هو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۱۲ جون ۲۰۰۴ء، مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

سوالنامہ:

آپ کی خدمت میں برطانیہ اور بعض دوسرے مغربی ممالک کے مسلم سماج کی بعض مشکلات و مسائل کا شرعی حل دریافت کرنے کے لئے یہ تحریر بھیجی جا رہی ہے، امید ہے کہ آپ حالات کی نزاکت اور پیچیدگی کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب و سنت، مقاصد شریعت اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں ایسا حل تجویز فرمائیں گے جو قابل عمل ہوگا۔

آپ کو یہ بات معلوم ہوگی کہ برطانیہ، دوسرے مغربی ممالک نیز امریکہ میں ایشیا اور افریقہ سے گئے ہوئے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے اور اس آبادی میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بہت سے خاندان ایسے بھی ہیں جو دو تین پشتوں سے ان ممالک میں آباد ہیں۔ جن مسلمان بچوں کی پیدائش، نشوونما اور تعلیم و تربیت ان ہی مغربی ممالک میں ہوئی، انہیں ان ملکوں سے کوئی زیادہ لگاؤ اور دلچسپی نہیں ہوتی جہاں سے ان کا خاندان ترک وطن کر کے مغربی ملکوں میں آباد ہوا ہے۔ مغربی ممالک میں پلنے اور بڑھنے والے مسلمان بچے اور بچیوں کا مزاج و مذاق بھی بڑی حد تک مغربی سانچہ میں ڈھل چکا ہوتا ہے۔ ان ممالک کے مسلمان لڑکے اور لڑکیوں میں یہ رجحان تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے کہ ان کا ازدواجی رشتہ ان ہی ملکوں میں پیدا ہونے والے اور تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے مسلمان لڑکے اور لڑکیوں سے کرایا جائے۔

دوسری طرف بسا اوقات والدین کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ ازدواجی رشتہ اپنے خاندان میں کئے جائیں، یعنی ہندوستان یا پاکستان سے برطانیہ منتقل ہونے والے ماں باپ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی بہو اور داماد ہندو پاک میں آباد اپنے خاندان سے حاصل کریں۔

یہ کشاکش بسا اوقات بہت ناپسندیدہ صورت اختیار کر لیتی ہے، خصوصاً لڑکیوں کے

مسئلہ میں - برطانیہ میں قائم شرعی پنچایتوں اور شرعی کونسلوں کے سامنے ایسے بہت سے واقعات آتے رہتے ہیں کہ عاقلہ بالغ لڑکی کے والدین یا بھائی وغیرہ لڑکی کو اپنا قدیم وطن دکھانے یا سیر و تفریح کرانے کے عنوان سے ہندوستان یا پاکستان لے جاتے ہیں اور لڑکی کی شادی اپنے کسی عزیز و قریب سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لڑکی کسی طرح اس نکاح پر رضامند نہیں ہوتی اور صاف کہہ دیتی ہے کہ ہم اس نوجوان کے ساتھ کسی طرح زندگی نہیں گزار سکتے۔ اس کے باوجود اولیاء اسے نکاح کرنے پر مجبور کرتے ہیں، جبر و اکراہ کی شکلیں اختیار کرتے ہیں، اسے نکاح پر آمادہ کرنے کے لئے زد و کوب کرتے ہیں۔ یہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تم نے اس شخص سے نکاح نہیں کیا تو تمہارا پاسپورٹ جلادیں گے، برباد کر دیں گے اور تم کو برطانیہ کی شہریت سے محروم کر کے یہیں سزا دیں گے۔ مجبور و بے بس لڑکی اس طرح کی دھمکیوں اور جبر و اکراہ سے مجبور ہو کر نکاح پر رضامندی کا زبانی اظہار کر دیتی ہے، حالانکہ وہ دل سے اس نکاح پر ہرگز آمادہ نہیں تھی۔ اس جبری نکاح کا ایک بڑا مقصد اس نوجوان کو برطانیہ کی شہریت دلوانا اور برطانیہ میں بسانا ہوتا ہے جس کے ساتھ نکاح کرنے پر لڑکی کو مجبور کیا گیا۔

اس طرح کی لڑکیاں برطانیہ واپس جانے کے بعد ان نوجوانوں کو اپنا شوہر تسلیم کرنے اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے سے انکار کر دیتی ہیں۔ ان میں جو دیندار ہوتی ہیں، خدا کا خوف رکھتی ہیں وہ مسئلہ معلوم کرنے اور نکاح فسخ کرانے کے مقصد سے شرعی کونسلز کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

یہ واقعات اتنی کثرت سے ہونے لگے ہیں کہ حکومت برطانیہ نے اس پر رپورٹ مرتب کروائی اور ان واقعات کا سخت نوٹس لیا۔ پریس میں ایسے واقعات آنے سے مسلمانوں اور اسلام کی تصویر بھی خراب ہوئی اور آزادی نسواں نیز حقوق انسانی کی تنظیموں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام میں آزادی رائے اور عورتوں کے حقوق اس حد تک پامال ہیں کہ عاقلہ، بالغ، تعلیم یافتہ، باشعور لڑکی کو جبراً کسی ناپسندیدہ شخص کے نکاح میں رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ شریعت نے اولیاء کو بچے اور بچیوں کے معاملات میں

تصرف کا جو بھی اختیار دیا ہے، اس کی بنیاد ان کے ساتھ شفقت اور ان کے مفادات کی رعایت و حفاظت ہے، لہذا اولایت کی بنیاد پر انہیں ایسے ہی تصرفات کا اختیار ہونا چاہئے جن میں بچوں کا فائدہ اور ان کے مفادات کی حفاظت ہو۔

ہندوستان میں بھی اب اس طرح کے واقعات مسلسل رونما ہونے لگے ہیں، جس میں جبر کے ساتھ نکاح کر دیا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں آپ درج ذیل سوالات کے جوابات قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں:

۱- عاقلہ بالغہ لڑکی کے نکاح میں شریعت نے اس کی رضامندی کو بہت اہمیت دی ہے، جیسا کہ احادیث نبویہ سے واضح ہے۔ کیا وہ صورت رضامندی میں شامل ہوگی جب کہ لڑکی کو ڈرا دھمکا کر یا زبرد کو بک کر کے یا سپورٹ ضائع کر دینے کی سخت دھمکی دے کر اس سے نکاح کے لئے ہاں کہلوایا گیا ہو جب کہ دل سے وہ اس نکاح پر راضی نہیں ہے؟

۲- مکہ کا نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ کیا اس سلسلے میں اِکراہِ ملجی اور اِکراہِ غیرِ ملجی کے درمیان کوئی فرق ہے؟

۳- قاضی یا شرعی کونسل کے سامنے اگر اس طرح کا کیس آتا ہے اور قاضی یا شرعی کونسل کو فریقین کے بیانات وغیرہ کے بعد اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ جبر و اِکراہ سے مجبور ہو کر لڑکی نے رضامندی کا اظہار کیا تھا اور لڑکی کسی طرح اس شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو تو کیا شرعی کونسل یا قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں؟

۴- اوپر جس قسم کے نکاح کا ذکر ہوا، اس کے بعد کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان زن و شوئی تعلقات بھی قائم ہو جاتے ہیں اور کبھی زن و شوئی تعلقات قائم ہونے کی نوبت نہیں آتی، دونوں صورتوں کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ، تحریر فرمائیں۔

جبری شادی

برطانیہ اور بعض مغربی ممالک کے سماجی حالات کے پس منظر میں اولیاء کی جانب سے لڑکیوں کو رشتہ نکاح کے سلسلے میں مجبور کئے جانے کے واقعات پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے تیرہویں سمینار منعقدہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی، ملیح آباد میں غور کیا گیا اور حسب ذیل فیصلے کئے گئے:

۱- لڑکیا لڑکی جب بالغ ہو جائیں تو شریعت نے انہیں اپنی ذات کے بارے میں تصرف اور نکاح کے سلسلے میں رشتہ کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ یہ حریت شخصیت شریعت اسلامیہ کے امتیازات میں سے ہے، بلکہ آج مغرب و مشرق کی بہت سی قوموں نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ انہی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

۲- اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکی یا لڑکے کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کئے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں، لہذا اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لئے طرح طرح کی دھمکیاں دینا اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

۳- لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی چاہئے کہ اپنے اولیاء کے انتخاب کردہ رشتے کو ترجیح دیں، کیونکہ اولیاء کی شفقت و محبت اور ان کے تجربہ کی وجہ سے عموماً یہی امید ہے کہ اولیاء نے ان کے لئے رشتے کا انتخاب کرتے وقت ان کے مفادات کا پورا پورا لحاظ رکھا ہوگا۔

۴- نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا تعلق نکاح کے وقت رضامندی کے اظہار سے ہے، لہذا اگر بالغ لڑکے یا لڑکی نے نکاح کے وقت رضامندی کا اظہار کر دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

۵- اگر قاضی شرعی اور قضاء کے کام کرنے والے اداروں و ذمہ داروں کے سامنے یہ بات بہ تحقیق ثابت ہو جائے کہ اولیاء نے بالغ لڑکی کے نکاح کے سلسلے میں جبر و زبردستی سے کام لیا ہے اور اس کو مجبور کر کے بوقت نکاح ہاں کر لیا ہے اور لڑکی رشتہ ہو جانے کے بعد اس رشتہ کو باقی و برقرار رکھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور فسخ کا مطالبہ کرتی ہے اور شوہر نہ بطور خود اسے جدا کرتا ہے اور نہ خلع و طلاق پر آمادہ ہے تو قاضی شرعی کو دفع ظلم کی غرض سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔



جبری شادی

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے تیرہویں فقہی سمینار کا ایک موضوع جبری شادی رکھا ہے۔ اس سے متعلق عرض، خلاصہ اور تجزیہ و جائزہ پیش کرنے کا احقر کو مکلف بنایا گیا ہے۔

بنیادی طور پر اس مسئلہ کا تعلق ”ولایت و کفایت“ کے موضوع سے ہے اور ان دونوں امور کے سلسلہ میں اکیڈمی کی طرف سے سمینار ہو چکا ہے اور تجاوز بھی آچکی ہیں۔ اس کے بعد برطانیہ وغیرہ کے حالات کے پس منظر میں وہاں مقیم فکر مند علماء کے تقاضے کے تحت اس موضوع کو اختیار کیا گیا ہے۔ بہر حال پہلے تو اس سے متعلق موصول ہونے والی تحریروں کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے اور اس کے بعد احقر کا جائزہ و تجزیہ پیش خدمت ہے۔

اس موضوع سے متعلق مرسلہ و تیار کردہ سوالنامہ کے جواب میں اکیڈمی کوکل ۳۳ تحریریں عرض کی تجویز و تحریر کے وقت تک موصول ہوئیں جن میں اکثر تو مختصر ہیں اور چند مبسوط ہیں۔ جواب دینے والوں میں اکیڈمی کے مستقل معاونین و شریک کار، نیز اہم حضرات یہ ہیں: مفتی عزیز الرحمن بجنوری، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قدرت اللہ باقوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوالعاص

☆ سکرٹری برائے سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)، استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ

وحیدی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی۔

جوابات کی نوعیت یہ ہے کہ بعض حضرات نے اجمالی جواب پر اکتفا کیا ہے اور ہر ہر دفعہ کا جواب نہیں دیا ہے اور نہ ان کے کلام سے اس کا اخذ کرنا ممکن ہے، اور بعض حضرات نے ہر دفعہ کا وضاحت و صراحت سے جواب دیا ہے، خلاصہ میں کوشش کی گئی ہے کہ کوئی رائے چھوٹنے نہ پائے اور نہ کسی رائے کے اخذ کرنے میں غلطی ہو، مگر براءت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

پہلا سوال:

قبل عقد لڑکی سے بچہ ”ہاں“ کرانا۔ کیا رضا شمار کیا جائے گا؟

مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اقبال قاسمی اور مولانا نعیم اختر صاحب کا جواب ہے کہ اس اور رضا شمار کیا جائے گا اور اکثر حضرات کا خیال ہے کہ نہیں۔

دوسرا سوال:

بوقت عقد بچہ ”ہاں“ کرانا کیا قبول عقد ہے اور نکاح ہو جائے گا؟

مولانا برہان الدین سنہلی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد ظفر، مولانا نعیم اختر، مولانا اقبال قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی اور مولانا نیاز احمد کا خیال ہے کہ نکاح ہو جائے گا، جبکہ مفتی عزیز ہلرحمن بجنوری، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قدرت اللہ باقوی اور مولانا محمد اعظمی کا خیال ہے کہ نہیں ہوگا۔ بعض حضرات نے یہ فرق کیا ہے کہ اگر بچہ دستخط کرایا گیا ہے اور زبان سے نہیں کہلایا تو نہیں ہوگا ورنہ ہو جائے گا۔

تیسرا سوال:

برطانیہ و ہندوستان وغیرہ کا معاشرتی فرق کیا کفایت کے تحت آتا ہے؟
اس کے تحت بصراحت جواب دینے والے متفق ہیں کہ کفایت کی نسبت سے اس کا

کوئی اعتبار نہیں اور لڑکی کو کوئی حق نہیں، البتہ مولانا ظفر عالم ندوی نے کہا ہے کہ خلع کر لے۔

چوتھا سوال:

مذکورہ صورت میں تفریق کے لئے دخول و عدم دخول کا فرق؟

اس کے تحت کئی آراء ہیں:

۱۔ بہر صورت حق ہے (مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا اقبال احمد قاسمی، البتہ اقبال

صاحب کہتے ہیں کہ اگر دخول میں بھی جبر ہو تو بعد دخول بھی حق ہے)۔

۲۔ بہر صورت حق نہیں (مولانا نعیم اختر)۔

۳۔ بعد دخول حق نہیں (مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد ظفر، مولانا مصطفیٰ قاسمی،

مولانا عبدالقادر عبداللہ)۔

۴۔ اگر جبر ہو تو حق ہے ورنہ نہیں (شوکت صبا)۔

پانچواں سوال:

جبر و اکراہ کا تحقق ہونے پر شرعی نوسل وغیرہ کو حق تفریق ہے یا نہیں؟

اس کے تحت مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا اقبال قاسمی اور مولانا نعیم اختر کی رائے

ہے کہ کوئی حق نہیں اور بقیہ وہ حضرات جنہوں نے اس پہلو کی صراحت کی ہے سب متفق ہیں کہ

شرعی نوسل کو یہ حق ہے۔ ان حضرات میں مفتی عزیز الرحمن بجنوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا

اسرار الحق سبیلی، مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا ابوالعاص و حیدی وغیرہ ہیں۔

مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری اس قسم کے نکاح کے انعقاد کے قائل نہیں ہیں اور

وہ فرماتے ہیں کہ قاضی شرعی یا شرعی پنچایت کو بلا جھجک نکاح فسخ کر دینا چاہئے، یہ احتیاط ہے،

ورنہ جب نکاح کا وجود ہی تسلیم نہیں تو فسخ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

یہ مقالہ نگار حضرات کی آراء کا خلاصہ تھا۔ اب احقر کا تجزیہ سماعت فرمائیں۔

پہلی بات تو یہ کہ جبری شادی کی ایک صورت یہ ہے کہ باپ، دادا وغیرہ بچی یا بچے کی شادی خالص اپنی مرضی سے کریں اور ان کے بلوغ کے باوجود یا تو ان سے استفسار نہ کریں یا استفسار کریں تو ان کے انکار کا لحاظ کئے بغیر خود ہی ایجاب و قبول کر لیں۔ سوالنامہ میں یہ صورت شامل نہیں ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عقد اور ایجاب و قبول کا علم ہونے پر لڑکی یا لڑکا خاموش رہے، کچھ نہ بولے تو نکاح نافذ ہو جائے گا ورنہ رد ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی کے انکار کی صورت میں اس سے بوقت ایجاب و قبول، باصرہ اور باجبر ہاں اور قبول کہلایا اور کروایا جائے۔ اسی کی بابت سوال کیا گیا ہے تو اگر اجبار کے ساتھ تحریری گئی، دستخط یا انگوٹھا، تو یہ غیر معتبر ہے۔ اور اگر ہاں کرایا گیا تو حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح ہو جاتا ہے، اور اس نکاح کی صحت کی وجہ بعض وہ توسیعات ہیں جو شریعت نے عقد نکاح اور طلاق کی بابت رکھی ہیں جن کی بنیاد ترمذی وغیرہ کی معروف حدیث ہے: "ثلاث جدهن جد وھزلھن جد" (جامع ترمذی، کتاب الطلاق۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے اور تمام اہل علم کا عمل اس کے موافق ذکر فرمایا ہے)۔ اس حدیث کے مطابق مذاق کے طور پر کہے جانے والے ایجاب و قبول کے الفاظ بھی صحت نکاح کے لئے کافی ہیں اور جب مذاق سے نکاح ہو جاتا ہے تو اکراہ و اجبار کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ہو جائے گا۔ کیونکہ مذاق کی صورت میں جانبین کا سرے سے رشتہ کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے اور آپس میں گفتگو بس ایک تفریح اور دل لگی ہے اور اکراہ کی صورت میں ایک فریق تو پورے طور پر آمادہ و سنجیدہ ہی ہے، رہا دوسرا فریق جس پر جبر ہے تو وہ بھی اپنے نفع و نقصان کو سوچ کر ہی فیصلہ کر رہا ہے اور ہاں کر رہا ہے یعنی لڑکی، لہذا لڑکی کی طرف سے بھی عقد کا قصد و ارادہ پایا گیا، اگرچہ یہ ارادہ بادل ناخواستہ انتہائی ناپسندیدگی اور ناگواری کے ساتھ ہے مگر لڑکی اس لئے ہاں کر رہی ہے کہ اس کے سامنے انکار کی مضرتیں کم از کم فی الحال قبول کی مضرتوں سے بڑھ کر ہیں تو ہاں کر کے وہ خود کو فی الحال سہی بعض مضرتوں سے بچا رہی ہے۔

لہذا یہ نکاح تو ہو گیا جبکہ نکاح باپ دادا نے کرایا ہے اور بظاہر انہوں نے لڑکی کے حق

میں کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا ہے اور نہ اپنی کسی ذاتی غرض و منفعت کے حاصل کرنے کا، کہ کہا جائے کہ اپنی غرض پر لڑکی کو بھینٹ چڑھا دیا۔

اور یہ نکاح حنفیہ کے علاوہ۔ بقیہ تینوں مذاہب و ائمہ کی رائے کے مطابق بھی منعقد و درست ہوگا جبکہ نکاح باپ و دادا نے کیا ہو۔ کیونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باپ کو بالغہ یا کرہ پر بھی ولایت اجباری حاصل ہے اور امام شافعی اور امام احمد حنبل کے نزدیک دادا کو بھی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ اس کے بعد لڑکی رشتے کو نبانے کی بھی پابند اور اس پر مجبور ہے یا یہ کہ اس کو رشتے کے ختم کرنے کے مطالبے و سعی کا حق حاصل ہے۔

تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب نکاح صحیح ہو اور بظاہر حال اس میں لڑکی کی بہتری و مصالحت کا ہی لحاظ کیا گیا تو لڑکی سے یہی کہا جائے گا کہ اس رشتے کو باقی و برقرار رکھے اور صبر و ایثار سے کام لے، والدین کی خوشی اور ان کے پسند کردہ مستقبل کو اپنے حق میں بہتر سمجھے جن مضرتوں سے بچنے کے لئے اس نے مجبور ہو کر نکاح کو قبول کیا ہے، رشتے کو ختم کرنے کی صورت میں اس قسم کی مضرتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر اس کو مطلوبہ خوشیاں پورے طور پر حاصل نہ ہو سکیں گی۔

لیکن اگر وہ خود کو اس پر کسی طرح آمادہ نہ کر سکے تو اس کو رشتے کے ختم کرنے کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

یہ حق اس کو اس وجہ سے حاصل ہے کہ لڑکی نے اگرچہ ہاں کر دی ہے مگر خود کو انتہائی مجبور پا کر اور اس حال میں کہ اس کا دل اس رشتے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا، اس لئے ہاں کرنے بلکہ خود و شوہر کے سپرد کرنے کے باوجود بھی بسا اوقات وہ شوہر کو اپنے دل میں وہ جگہ نہیں دے پاتی اور اپنے دل میں اس کے اندر وہ احساسات و جذبات پیدا کرنے سے عاجز رہتی ہے جو ازدواجی زندگی کی حقیقی مسرتوں کے لئے درکار ہیں بلکہ شوہر کے لئے معاندانہ جذبات اس میں برابر برقرار رہتے ہیں اور فروغ پاتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم و نازک رشتہ میں یہ بد مزاج

کامیاب مستقبل اور اچھے نتائج کا پیش خیمہ نہیں بن سکتی بلکہ زوجین کے لئے ہر اعتبار سے مسائل کو جنم دینے والی ہوگی اور صورت حال وہ ہوگی جس کو قرآن و فقہ کی تعبیر میں ”شقاق“ سے تعبیر کیا گیا ہے، خواہ یہ ہو کہ یہ صورت حال پیدا ہو چکی ہو یا یہ کہ دونوں بتدریج اس کی طرف جا رہے ہوں۔

اس لئے لڑکی کو حق ہے کہ وہ شرعی حدود میں اس رشتے کو ختم کرنے اور اپنی آزادی کا مطالبہ کرے۔ اور ایسی صورت میں اس کے مطالبے کو ان احادیث کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا جن میں بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق و خلع یعنی علاحدگی کے مطالبہ کی مذمت اور وعید آئی ہے، کیونکہ وعید ناحق مطالبے پر ہے اور یہاں مطالبہ بہر حال معقول اور برحق ہے۔

اور اس کی دلیل وہ قرآنی آیات و ہدایات ہیں جن میں زوجین کے درمیان باہمی شدید اختلافات اور ایک دوسرے کی حقوق کی ادائیگی میں شدید اور موجب نزاع کوتاہی کے پائے جانے یا اس کے قوی اندیشے پر رشتے کو ختم کر دینے کی بات کہی گئی ہے:

”فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به“ (سورۃ بقرہ، ۲۲۹)۔

”وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها“ (سورۃ نساء، ۳۵)۔

ان آیات کے خطاب میں حکام و اولیاء اور شوہر و اقرباء سب داخل ہیں کہ شقاق کے حال اور اس کے قوی اندیشے میں کیا کریں، مشہور تابعی مفسر حضرت طاؤس پہلی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

اس آیت میں حدود اللہ کو قائم نہ کرنے سے مراد ہے ایک دوسرے کی معاشرت و صحبت کے معاملات و حقوق کی اچھی طرح انجام دہی نہ کرنا (بخاری مع فتح الباری ۹/۳۹۴)۔

اور سب سے اہم اور واضح دلیل صحیحین وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس

کی بیوی حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھ کو ثابت بن قیس سے ان کے دین و اخلاق کے اعتبار سے کوئی شکایت نہیں ہے (کیونکہ اس اعتبار سے تو وہ مناسب آدمی ہیں) لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتی کہ اسلام سے وابستگی کے ساتھ کسی کی بیوی رہوں اور اس کے ساتھ دل سے محبت نہ کروں۔ اس کے حقوق کو پورے طور پر ادا نہ کروں اور اس طرح میں ناشکری یا کفر کے کاموں کی مرتکب ہوں یا یہ کہ عین کفر تک پہنچ جاؤں۔

شوہر سے ان کی نفرت و بددلی کا کیا سبب تھا؟ اس بابت اگرچہ بعض روایات میں اس کا تذکرہ آتا ہے کہ وہ بہت مارتے تھے حتیٰ کہ اس سے کچھ جسمانی نقصان بھی ہوا تھا مگر محققین نے اس کے بجائے اہمیت اس کو دی ہے کہ شوہر نہایت بد صورت تھے، کیونکہ خاتون نے دین، اخلاق میں ہی کی صاف نفی کر دی۔ وہ شوہر سے اتنی متنفر تھیں کہ ساتھ رہنے سہنے کے باوجود وہ خود کو شوہر سے پورے طور پر منسلک نہ کر سکیں اور وہ روز اول سے نفرت کا شکار تھیں، حتیٰ کہ ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اگر خوف خدا نہ ہوتا تو جس وقت وہ میرے پاس پہلی مرتبہ داخل ہوئے، میں ان کے منہ پر تھوک دیتی۔

آپ ﷺ نے ان کی گفتگو سن کر معروف روایات کے مطابق مزید کوئی استفسار نہیں فرمایا اور نہ ناپسندیدگی کی وجہ معلوم کی، اندازہ یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ علم تھا، نبی اکرم ﷺ نے بس یہ فرمایا کہ کیا تم مہر واپس کرنے کو تیار ہو، جب انہوں نے ہاں کہا تو آپ ﷺ نے رشتہ ختم کر دیا (روایت کی بابت تفصیلات کے لئے عمدۃ القاری اور فتح الباری سے رجوع کیا جائے۔ کتاب الطلاق باب الخلع)۔

ایک روایت ابو داؤد وغیرہ کی معروف ہے کہ ایک صحابی نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کیا، مگر بھتیجے کے حالات کچھ ایسے تھے کہ جس کی وجہ سے وہ بیٹی کو پسند نہ تھے، خدمت اقدس میں آ کر عرض کیا تو آپ ﷺ نے ان کو علاحدگی کا اختیار دیا جس پر انہوں نے عرض کیا کہ میں

علاحدگی نہیں چاہتی مگر حق کو واضح کرنا چاہتی تھی۔

ایک واقعہ اور ہے جس کو محدثین، امام بخاری وغیرہ نے اس سیاق میں ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے علم میں جب یہ بات آئی کہ حضرت علیؓ دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اس سے منع فرمایا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر دوسرا نکاح کرنا ہی ہے تو فاطمہ کو طلاق دے دیں۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ شراح حدیث اور شراح بخاری نے اس بابت یہ توجیہ پسند کی ہے کہ حضرت فاطمہؓ سوکن کی وجہ سے دوسرے نکاح کو پسند نہیں کر سکتی تھیں اور نتیجتاً اس کی وجہ سے باہم شدید اختلاف اور شقاق کا اندیشہ تھا (بخاری مع الفتح - کتاب الطلاق ۹ / ۴۰۴)۔

اب علماء محققین اور اہل بصیرت علماء راہنہ کی تحقیقات و تصدیحات سنئے:

حافظ ابن حجر نے ثابت بن قیس والے قصہ کے تحت ”فوائد“ میں لکھا ہے: خلع و فدیہ اس وقت بھی جائز ہے جبکہ عورت شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو اگرچہ شوہر اس کو ناپسند نہ کرے اور شوہر کو اس سے کوئی شکایت نہ ہو (فتح الباری ۹ / ۴۰۱) اور حضرت فاطمہ والی حدیث کے تحت لکھا ہے کہ مذکورہ آیت (آیت سے ”وان خفتم شقاق بینہما“ مراد ہے) اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سد باب کے طور پر بھی ایسا کرنا درست ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شقاق کے وقوع سے پہلے محض اس کے خوف و اندیشے کے حال میں حکمین کو متعین کرنے کا حکم دیا ہے، جبکہ خوف کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شقاق تو فی الحال موجود نہیں لیکن مستقل تکدر اور باہمی بد معاملگی اور بد مزگی پیدا کرنے والے شقاق و اختلاف کے قرائن و علامات موجود ہیں (فتح الباری ۹ / ۴۰۴)۔

مولانا عبدالصمد رحمانی اولین نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے موضوع سے متعلق اپنی معزوف کتاب ”کتاب الفسخ والتفریق“ میں اس سلسلے کی ایک اصل ”زن و شو میں شقاق“ کو بھی قرار دیا ہے، اور شقاق کے متعدد اسباب ذکر کئے ہیں، کچھ صراحتاً اور کچھ اجمالاً۔ اس کے تحت علماء امارت کا معمول ہے کہ وہ جب قرائن سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ رشتے کو زبردستی باقی رکھنے

میں زیادتی فساد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا تو اسی اصل کے مطابق وہ زوجین کے درمیان تفریق کی راہ کو اختیار کرتے ہیں (اگرچہ تفریق خلع و طلاق کی صورت میں ہو)۔

نیز مولانا ابوالحسن سجاد صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے متعدد فتاویٰ میں بیوی کی طرف سے بعض اہم شکایتوں کی بنیاد پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر عورت صبر و تحمل سے کام نہ لے سکے تو طلاق و خلع کے ذریعہ ملاحدگی اختیار کر لے۔ اور وہ شکایات ان معروف صورتوں کے تحت نہیں آتیں جن کا تذکرہ اس سیاق میں عموماً کتابوں کے اندر ملتا ہے اور جن کو نسخ و تفریق کے تحت ذکر کیا جاتا ہے (فتاویٰ امارت شرعیہ ۱/ ۱۸۵، ۱۹۱، ۱۹۵، ۱۷۷) مثلاً ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: اگر زوجین میں موافقت ناممکن ہے تو ایسی صورت میں برضائے طرفین خلع ہو سکتا ہے، بلکہ ایک مفصل فتویٰ میں عدم موافقت کی بنیاد پر خلع کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے حال و قصہ اور حدیث سے استدلال کیا گیا ہے نیز آیت خلع سے بھی۔ یہ فتویٰ ایک دوسرے عالم کا تحریر کردہ ہے مگر مولانا تصدیق و تصویب میں فرماتے ہیں:

عورت کو نا موافقت مزاج یا دیگر مجبوریوں کی وجہ سے خلع کے مطالبہ کا شوہر سے حق ہے (فتاویٰ امارت شرعیہ ۱/ ۱۷۵، ۱۷۶)۔

مولانا سجاد صاحب نے خلع وغیرہ کا حکم جن صورتوں میں ذکر کیا ہے، ان میں زوجین کی عمروں میں عدم تناسب اور اس کی وجہ سے مرد کا ناکارہ ہونا بھی آیا ہے، جیسے کہ مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب نے کتاب ”الفیض“ میں عنین ہونے کی بنیاد پر تفریق کے لئے اس صورت کو بھی ذکر و اختیار کیا ہے جبکہ مرد کو اس قسم کا عارضہ شادی کے ایک عرصہ کے بعد لاحق ہو۔

ربا یہ مسئلہ کہ لڑکی اپنے حق کو کس طرح حاصل کرے اور شرعی کونسل وغیرہ اس بابت کیا کر سکتے ہیں تو گذشتہ سطور میں کچھ نہ کچھ صورت کا ذکر آ گیا ہے اور وہی ان مواقع میں عموماً مذکور ہے جن کا حوالہ دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ لڑکی شوہر سے ملاحدگی کے لئے طلاق یا خلع کے حصول کی سعی و تدبیر کرے، خواہ وہ خود شوہر سے گفتگو کر کے اس کو آمادہ کرے، یا متعلقین و اعزہ یا شرعی

کونسل و شرعی پنچایت وغیرہ کے لوگ شوہر کو تیار کریں اور سمجھائیں کہ جانبین کی بہتری اسی میں ہے کہ اس رشتہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کر دیا جائے۔

شرعی کونسل وغیرہ جیسے اداروں کا کام صرف یہ نہیں کہ وہ اپنی طرف سے علاحدگی کا حکم کر کے نکاح کے فسخ و تفریق کا کام کریں بلکہ باہمی نزاعات کو حل و ختم کرنے کی حتی الامکان سعی کے بعد شوہر کی طرف سے خلع و طلاق کا معاملہ طے کرانا اور بہ مجبوری خود تفریق کا فیصلہ کرنا، یہ سب ان اداروں کا کام ہے، ایسی بعض صورتوں میں مولانا سجاد صاحب نے قاضی کی طرف سے فسخ و تفریق کا انکار کیا ہے۔

البتہ شرعی کونسل کی طرف سے فسخ و تفریق کی صورت اس بنیاد پر ہو سکتی ہے کہ اس نوع کے نکاح و قضیے کو مسئلہ کفایت کے تحت لایا جائے اور اس پہلو سے اس کو دیکھا جائے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ یہ پہلو بھی یہاں قابل غور ہے، کیونکہ کفایت کا مفہوم اور مقصد بہت وسیع ہے یہی وجہ ہے کہ تفصیلات و جزئیات میں اختلاف کے باوجود تمام علماء و ائمہ نے نکاح کے اندر اس کی رعایت کو اختیار کیا ہے اور اس کو اہمیت دی ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۳۰، ۲۳۲، حاشیہ ردالمحتار در مختار ۴/۲۰۴)۔

اس موقع پر کفایت کی مناسبت سے گفتگو کو طول نہیں دیا جاسکتا، البتہ کفایت کی وضاحت اور امور کفایت کی بابت چند باتیں عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کیا جاسکے۔

کفایت کیا ہے؟ اس بابت اکیڈمی کے گیارہویں سمینار کی تجاویز کا ایک حصہ پیش خدمت ہے:

”اسلام نکاح کو پائیدار و استوار دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرے اور میاں بیوی تاحیات خوشگوار زندگی گزار سکیں۔ کفایت کی حقیقت (زوجین میں) مماثلت اور یگانگت ہے۔ میاں بیوی کے درمیان فکر و خیال،

معاشرت، طرز رہائش، دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے اور رشتہ مستحکم ہو۔ بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں اور اس ناکامی کے برے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہو کر دونوں کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں، اس لئے احکام نکاح میں شریعت نے کفایت کی رعایت کی ہے۔

یہ تو اکیڈمی کی تجویز کا ایک حصہ ہے، مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید علیہ الرحمہ نے ایک موقع پر فرمایا: لڑکا ہر حقیقت سے لڑکی کے برابر ہو، مراد یہ ہے کہ دین دیانت، مال، نسب، پیشہ اور تعلیم میں لڑکا لڑکی سے کم تر نہ ہو۔

امور کفایت کیا ہیں؟ اس بابت فقہاء نے عموماً چند متعین امور کا تذکرہ کیا ہے۔ حنفیہ نے بھی اور دوسرے حضرات نے بھی۔ لیکن قدیم و جدید فقہاء محققین اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ کفایت میں ذکر کئے جانے والے امور کی بنیاد عرف و عادت پر ہے۔ صاحب فتح القدر اور علامہ شامی وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے اور اسی بنا پر کفایت کی بحث و جزئیات میں علم و عقل وغیرہ کا ذکر و شمار کیا ہے ورنہ کتب فقہ میں عمومی طور پر مذکور امور میں یہ چیزیں شامل نہیں ہیں، اور اسی کے تحت عمر میں تناسب کو بھی مؤثر مانا گیا ہے، جس کو بعض مسلم ممالک میں اختیار کیا گیا ہے اور بعض اہل نظر علماء کی صراحت کے مطابق قدیم فقہاء نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (احسن الفتاویٰ ۱۲۳/۵ بحوالہ شرح مہذب)۔ آج علم و تعلیم کی معاشرہ میں جو اہمیت ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، اس لئے فقہاء عصر اس کو بھی ذکر کیا کرتے ہیں (آپ کے مسائل ۶۱/۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱) یعنی علم سے کورا ہونا اور جہالت یا علم میں فروتر ہونا ان کے نزدیک کفایت میں مؤثر ہے۔

جیسے کہ بعض اہم بیماریوں کو بعض ائمہ مجتہدین بلکہ بعض ائمہ حنفیہ اور بعد کے علماء محققین نے اس فہرست میں شمار کیا ہے (ملاحظہ ہو الحیلۃ الناجزۃ و کتاب الفسخ والتفریق، نیز الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۳۴۰) حتیٰ کہ عنین کے مسئلہ کو بھی بعض حضرات نے کفایت کے مسئلے کے

تحت داخل کیا ہے (ردالمحتار ۴/۲۰۹ طبع زکریا)۔

عالم اسلام کے ممتاز فقیہ شیخ وہبہ زحیلی نے کفایت سے متعلق گفتگو میں ان ہی امور پر اکتفا کیا ہے جن کا ذکر معروف ہے اور دوسرے امور کے حق میں نفی کی ہے مگر اسی کے ساتھ وہ فرماتے ہیں:

لیکن ان اوصاف میں تناسب کی رعایت بہتر ہے، بالخصوص عمر و علم کی رعایت، کیونکہ زوجین کے درمیان ان دونوں چیزوں میں تناسب کا پایا جانا دونوں کے درمیان زیادہ توافق پیدا کر سکے گا اور ان کا لحاظ نہ کرنے سے بڑا فساد و انتشار ہوگا (الفقه الاسلامی وادلتہ ۷/۳۳، ۳۳۸)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں: کفایت کا اعتبار دفع عار کے لئے ہے اور مدار عار کا عرف پر ہے اور عرفاً فلاں خاندان فلاں خاندان کے برابر سمجھا جاتا ہے، متقدمین کے زمانے میں مساوات نہ ہوگی۔ اس لئے اختلاف زمان سے یہ حکم بدل گیا (امداد الفتاویٰ ۲/۳۷۱)۔

ایک فتویٰ میں کچھ عبارتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان روایات حدیثیہ و فقہیہ سے ثابت ہوا کہ قول عمر و کا صحیح ہے (جو عجم کے خاندانوں میں بھی کفایت کی رعایت کا قائل ہے) اور یہ کہ بنی اس کا عرف پر ہے، جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسباً کفایت کا معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ، جبکہ عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو ورنہ ان میں بھی اعتبار نسب و قومیت کا معتبر ہوگا۔

کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں: اور نسب نسبت الی الآباء ہے اور حسب لغت عام ہے، کمافی القاموس، لیکن عرفاً خاص ہے شرف نفس کے ساتھ خواہ دنیوی ہو یا دینی اور کفایت میں یہ بھی معتبر ہے، مثل نسب کے، چنانچہ فقہاء کا دیناً و عرفاً کہنا اس کی صریح دلیل ہے اور مدارس کا بھی عرف ہی پر ہے (امداد الفتاویٰ ۲/۳۶۸، ۳۶۹)۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب احسن الفتاویٰ ایک مبسوط فتویٰ کے اخیر میں فرماتے

ہیں:

مذکورہ عبارات کے علاوہ بھی شامی اور دوسری کتب میں بھی بہت سی عبارات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مشائخ نے کفایت کو امور مرویہ عن الائمہ میں منحصر نہیں سمجھا بلکہ زمانہ کے حالات و عرف کے لحاظ سے اس میں مزید غور و فکر کی گنجائش ہے (احسن الفتاویٰ ۵/۱۳۴)۔

اس کے بعد مفتی رشید احمد صاحب نے حکم ذکر فرمایا ہے۔ مفتی صاحب کے بیان اور بعض دیگر حضرات کی تحریروں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زوجین کے درمیان جب کسی بنیاد پر شدید عدم تناسب اور عدم توافق پایا جائے تو اس کو بھی امور کفایت کے تحت شمار کر کے دارالقضاء وغیرہ سے رجوع کیا جائے اور دارالقضاء وغیرہ کے لوگ علاحدگی کی ضرورت محسوس کر کے لڑکے و خلع و طلاق پر آمادہ نہ کر سکیں اور ضرورت محسوس کریں تو وہ نکاح کو فسخ کر کے تفریق کر سکتے ہیں جیسا کہ کفایت کے معاملات کا عام حکم ہے۔

خلاصہ یہ کہ کفایت سے مقصود زوجین میں مزاجی ہم آہنگی کی رعایت ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان کے مزاج کے بنانے میں بہت سے امور مؤثر ہوتے ہیں، دین و مذہب، عمل و کردار، دولت و غربت، پیشہ و کاروبار، علم و جہالت، رہن سہن حتیٰ کہ شہر و دیہات کا بھی فرق و اثر ہوتا ہے اور فقہاء کی صراحت کے باوجود کہ شہر و دیہات کے فرق کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس کا قائل ہونا مشکل ہے کہ شہر و دیہات کی بود و باش کے فرق کے وجہ سے مزاجوں میں فرق نہیں ہوتا۔ ایک مشہور حدیث ہے: "من سکن البادية جفا"۔

☆☆☆

مقالات

جبری شادی

مولانا محمد برہان الدین سنہلی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

والد اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا کی ولایت سے نابالغ لڑکی اور لڑکے کا نکاح منعقد اور لازم ہو جاتا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اختیار بھی نہیں رہتا، خواہ اس نے یہ نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر ہی کر دیا ہو (اگر وہ ماجن نہیں ہے)۔

اگر لڑکا یا لڑکی بالغ ہوں اور نکاح کے وقت اجازت دے دی ہو اگرچہ جبراً ہی دی ہو تو نکاح منعقد اور لازم ہو جاتا ہے کہ بعد میں اختیار نہیں رہتا، خواہ وہ دونوں انگلستان کے رہنے والے ہوں یا ان میں سے ایک وہاں رہتا ہو دوسرا وہیں یا کہیں بھی رہتا ہو۔

والد اور دادا کی شفقت کا مطلب اور تقاضا یہی ہے، اسی لئے شریعت نے اسے یہ امتیاز دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے مستقبل کے اعتبار سے جو بہتر ہو وہ اقدام کرے، چاہے لڑکوں، لڑکیوں کو اپنی ناتجربہ کاری، یا جذباتیت، جنسی انارکی اور بے راہ روی کی وجہ سے یہ رشتہ پسند نہ آئے۔

جن لوگوں کی یورپ اور امریکہ کے حالات پر نظر ہے وہاں کی جنسی آزادی اور آزادانہ اختلاط کے مشاہدات ہیں ان کے لئے یہ سمجھنا کہ والدین اپنی اولاد بالخصوص لڑکیوں کے

لئے یورپ و امریکہ میں رشتہ کرنے کے بجائے ایشاء مثلاً ہندو پاک وغیرہ میں رشتہ کرنا کیوں پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہیں، اس پسند میں یقیناً اولاد بالخصوص لڑکیوں کی خیر خواہی، ان کے دین و اخلاق کی حفاظت ہی مقصود ہوتی ہے، حالانکہ انگلستان وغیرہ (یورپ و امریکہ) میں پلنے والے لڑکے لڑکیاں دین و اخلاق سے بے بہرہ بلکہ بے زار ہونے کی وجہ سے ان رشتوں کو پسند نہ کریں تو تعجب کی بات نہیں، مگر ان کی پسند کا اعتبار کرنا خود ان ہی کے اخلاق و دین کو تباہ کرنے کے مرادف ہوگا، ایسی صورت میں والد کو مورد الزام قرار دینا اور بے راہ رو لڑکوں، لڑکیوں کی طرف داری کرنا شریعت ہی کے نہیں پدرانہ شفقت کے بھی خلاف ہے، یہ ایسا ہی ہوگا کہ جیسے کوئی نا سمجھ بچہ بیماری یا لاغری کی حالت میں مٹھائی کھائے یا کسی اور مضر صحت یا مہلک چیز کے استعمال کی ضد کرنے لگے اور والدین یا طبیب شفقت یا ہمدردی کی بنیاد پر اس سے روکتے ہوں تو کیا کوئی ذی ہوش والدین کی مخالفت اور ضدی نا سمجھ بچے کی حمایت کرے گا! یورپ وغیرہ میں پلی لڑکیوں کا ہندوستانی لڑکوں کا کفو نہ ہونا مضحکہ خیز بات معلوم ہوتی ہے کہ محض اس فرق کی بنیاد پر اگر کفایت بدل جائے تو پھر دیہاتی و شہری کے فرق کی وجہ سے بھی بدل جانی چاہئے، اس لئے یہ محض بہانہ لگتا ہے، عذر شرعی نہیں معلوم ہوتا۔

اور اگر بالفرض اسے کفایت کا فرق تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی بالغ لڑکی کی اجازت سے اور والد کی رضا مندی سے ہونے والا نکاح منعقد اور لازم ہو جاتا ہے، یعنی محض اس بنیاد پر فسخ کا حق نہیں ہوتا۔

کیونکہ نکاح ان عقود میں سے ہے کہ جو از روئے حدیث نبوی شریف 'جد' اور 'ہزل' دونوں صورتوں میں منعقد اور لازم ہوتا ہے۔ حدیث صحیح کی مشہور کتابوں ابو داؤد اور ترمذی میں ہے:

”ثلاث جدھن جدوھزلھن جد: النکاح والطلاق والرجعة“۔

اسی بنیاد پر فقہاء معتبرین کے نزدیک جبری طور پر کیا ہوا نکاح (اگر اجازت جبراً دی

ہو) بھی منعقد ہو جاتا ہے، مثلاً ہندوستان کے بلکہ ایشیا کے سب سے بڑے مرکز دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی کا یہ فتویٰ ہے: ”زبردستی کی اجازت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے“^(۱)، علاوہ ازیں فقہ و فتاویٰ کی اہم مرجع کتاب ردالمحتار میں بھی یہی حکم مذکور ہے^(۲)۔

اس لئے کسی شرعی کونسل یا قاضی کو شرعاً حق نہیں کہ محض اس بنیاد پر کسی جوڑے کا نکاح فسخ کر دے کہ لڑکی یا لڑکے نے نکاح کی اجازت جبراً دی تھی۔

(۱) مجموعہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ناشر مکتبہ امدادیہ دیوبند، ۲، ۳، ۸۴، ۸۶، ۱۰۰۔

(۲) ۲۷۱/۱ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند۔

جبری شادی کا مسئلہ

مولانا زبیر احمد قاسمی

جامعہ اشرف العلوم، کنہواں سینٹامزھی

میری نظر میں ان ممالک کے مسلم سماج کی اس خاص پیچیدہ صورت کا صحیح شرعی حل تو یہی ہے کہ ایسے گارجینوں پر قانون سازی کر کے تعزیری سزائیں جاری کی جائیں، تاکہ کم از کم آئندہ ایسی صورت حال پیش ہی نہ آسکے جو احکام شریعت کی شبیہ بگاڑنے بلکہ مسخ کرنے تک مفضی ہو جاتی ہے اور مذہب اسلام کی جگہ ہنسائی ہوتی ہے۔

۱- اِکْرَاهِ عَلٰی النِّكَاحِ هُوَ يَا اِكْرَاهِ عَلٰی التَّوَكُّلِ بِالنِّكَاحِ هَرْدُو اِكْرَاهِ فَقَهْ حَنْفِيْ كِے اعتبار سے غیر مؤثر ہیں اور دونوں صورتوں میں نكاح منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے، ”اِكْرَاهِ عَلٰی التَّوَكُّلِ بِالنِّكَاحِ يَصِحُّ وَيُنْعَقِدُ“^(۱)۔ ”وَحَقِيْقَةُ الرِّضَاءِ غَيْرِ مَشْرُوْطَةِ فِى النِّكَاحِ لَصَحْتِهِ مَعَ اِكْرَاهٍ“^(۲)۔

۲- جب نكاح کا انعقاد وصحت حقیقت رضا کے ساتھ مشروط ہی نہیں ہے تو صورت رضا کے پائے جانے کے بعد خواہ یہ صورت رضا بشكل زبانی اقرار بلفظ ”ہاں“ ہو، یا بشكل دستخط و تحریر بہر حال اذن نكاح یعنی توكيل بالنكاح محقق و موجود ہو جائے گا۔

(۱) شامی ۵/۸۲۔

(۲) شامی ۲/۲۷۱۔

۳۔ برطانیہ وغیرہ مغربی ممالک میں رہنے والی لڑکی معاشرتی سطح پر، خواہ کتنی ہی اونچی ہو مگر چونکہ اس نے اس نجلی سطح کے معاشرہ کے ایک فرد کے ساتھ اذن نکاح دے کر تو کیل بالنکاح کا معاملہ کر لیا ہے تو اسے معاشرتی عدم کفایت کی بنیاد پر دعویٰ تفریق کا حق ہرگز نہیں ملے گا۔

ہاں اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک چونکہ اکرہ علی النکاح یا اکرہ علی التوکیل بالنکاح کے مؤثر ہو جانے کا ہے اور نتیجتاً ان حضرات کے مسلک کے مطابق بصورت اکرہ نہ نکاح منعقد ہوتا ہے اور نہ نکاح کی توکیل صحیح ہو پاتی ہے تو پھر جو حضرات شافعی، مالکی، یا حنبلی المسلمک ہیں ان کے لئے مسئلہ آسان ہے لیکن حنفی المسلمک فریقین کے لئے مسئلہ بہر حال دشوار و پیچیدہ ہی کہا جائے گا۔

اب اگر نفس مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کی بنیاد پر حنفی قاضی، یا شرعی کونسل کے حنفی ممبران باتفاق رائے عدم انعقاد نکاح کا فیصلہ کر دیں تو شاید گنجائش ہو سکتی ہے، کیونکہ فقہ حنفی کا بھی یہ معروف اصول ہے۔

۴۔ اگر نکاح یا توکیل بالنکاح اکرہ کے ساتھ ہو تو اس کے بعد زن و شوئی تعلقات کے قائم ہو جانے اور نہ ہونے کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ مہر کے متعلق احکام یقیناً مختلف اور الگ الگ ہوں گے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ جبری نکاح میں ایک ہے نفس نکاح پر رضاء اور عدم رضاء کا مسئلہ، دوسرا ہے تسمیہ مہر عند النکاح اور اس کی مقدار پر راضی ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ۔ اور چونکہ بلا حقیقت رضا اکرہ سے نکاح منعقد ہونا طے شدہ ہے، اس لئے انعقاد نکاح تو بہر صورت ہو ہی جائے گا، مگر دین مہر چونکہ عوض بضع ہوتا ہے اس طرح یہ حقوق مالیہ اور عقد معاوضہ مالی کے قبیل سے سمجھا جاتا ہے، اس لئے فریقین کا مقدار رسمی پر حقیقتاً اور واقعی راضی ہونا ضروری ہے اور اکرہ سے حقیقی رضا فوت ہو جایا کرتی ہے، اس لئے تسمیہ بویا کا عدم ہی رہتا ہے۔

ب۔ فقہ کا معروف مسئلہ ہے کہ ملک بضع بوقت دخول فی الملک مقوم ہوتا ہے اور اس کا

شرعی اور حقیقی عوض مہر مثل ہی ہوا کرتا ہے۔ الا یہ کہ فریقین مہر مثل سے کسی کم یا زیادہ مقدار مہر پر اپنی حقیقی رضامندی ظاہر کر دیں جو یقیناً کراہ علی النکاح کی صورت میں نہیں پائی جاتی۔

ج۔ اب اگر مرد پر کراہ علی النکاح ہوا ہوگا تو ظاہر ہے وہ نفس نکاح کے ساتھ اس میں جو تسمیہ مہر ہو رہا ہے اس پر بھی راضی نہ ہوگا، اگرچہ عدم رضاء کے باوجود انعقاد نکاح ہو جائے گا مگر قدر مہر مثل سے زائد دین مہر تو لازم نہ ہوگا۔

د۔ اس کے بعد اگر یہ ہو کہ قبل وطی ہی عورت اپنے دین مہر کا مطالبہ کرنے لگے تو مرد پر لازم ہوگا کہ وہ دیا تو بقدر مہر مثل اسے دے کر اپنی ملکیت بضع کو باقی رکھے یا اسے جدا کر دے۔ اگر مرد نے دوسری صورت اختیار کی اور طلاق دے کر جدا کر دیا تو کچھ لینا دینا نہیں ہوگا، معاملہ صاف ہو چکا، الا یہ کہ عورت قدر رسمی اقل من مہر المثل پر بخوشی تیار ہو۔

ھ۔ لیکن اگر نکاح پر مرد کو نہیں عورت ہی کو مجبور کیا گیا ہوگا تو اس عورت کے حق میں بھی تسمیہ اور قدر مہر پر اس کی رضا کراہ کے سبب فوت ہو جانے کی بنیاد پر تسمیہ اور قدر رسمی کا عدم کہلائے گا، اور رسمی اس کے بضع کا عوض نہیں بن سکے گا بلکہ عوض شرعی مہر مثل کو بدل بضع قرار دیا جائے گا۔

اب اگر قبل الوطی وہ اپنے مہر کا مطالبہ کرنے لگے تو مرد دیا تو مہر مثل کے بقدر دے کر اس کو اپنی زوجیت میں رکھے اور استمتاع کا راستہ کھلا رکھے یا پھر اسے جدا کر دے، اگر جدا کر دے گا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں ہوگا۔ یہاں بھی اگر خود عورت مہر مثل سے کم قدر رسمی ہی کو لینے پر راضی ہو جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

و۔ اگر عورت کی جانب سے مطالبہ مہر بعد الوطی ہو رہا ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی: اگر بوقت وطی عورت کی طرف سے تمکین علی النفس برضا و رغبت ہوئی ہوگی تو یہ گویا فریقین کی طرف سے قدر رسمی پر رضا ہوگی۔ مرد تو راضی تھا ہی کہ اس پر کراہ نکاح ہوا ہی نہ تھا اور عورت کی

طرف سے اب برضا، و رغبت تملکین علی النفس قدر رسمی پر بھی رضا کی دلیل کہلائے گی، اس لئے عورت اس صورت میں قدر رسمی ہی پائے گی۔

لیکن اگر عورت کی رضا کے بغیر زبردستی اس سے وطی کی گئی ہوگی تو پھر مرد کو مہر مثل ہی

دینا ہوگا۔

۵۔ اس سلسلہ میں یا تو دیگر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مسلک کے مطابق عدم انعقاد کا فیصلہ کیا جائے، گویا عدول کیا جائے، یا پھر مسند مجتہد فیہ ہونے کی بنا پر دفع ضرر اور رفع نزاع کی نیت سے عدم انعقاد نکاح کو ترجیح دے کر نزاع کو ختم کیا جائے۔

جبری شادی کا شرعی حکم

مفتی نسیم احمد قاسمی

امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

نکاح ایک مقدس رشتہ اور عبادت ہے، جس کے ذریعہ مرد و عورت کے مابین محبت و الفت اور سلینت و طمانیت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ دونوں جائز اور حلال طریقہ سے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کر کے نسل انسانی کی افزائش اور بقا کا ذریعہ بنتے ہیں اور دونوں کے ملاپ اور اختلاط سے پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ بیوی اپنے شوہر کے لئے سکون و اطمینان کا ذریعہ، اس کے غم اور رنج میں شریک اور اس کی رفیقہ سفر ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے: "وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يَخْلُقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً" (۱)۔

اور نبی کریم ﷺ نے نیک بیوی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اللدنيا کلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة" (۲) (پوری دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور دنیا کی سب سے بہتر چیز جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے وہ نیک بیوی ہے)۔

اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: مومن اللہ کے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے زیادہ کسی

(۱) سورہ نساء، ۲۵۔

(۲) رواہ مسلم، مشکاۃ، ۲۶۷۔

چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتا ہے، اگر وہ اسے حکم دیتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کرتی ہے۔ اگر وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو اسے خوش کر دیتی ہے اور اگر اس پر قسم کھاتا ہے تو سچ کر دکھاتی ہے، اور اگر وہ اس سے غائب رہتا ہے تو وہ اپنے نفس اور اس کے مال کے بارے میں خیر خواہی کرتی ہے^(۱)۔ نکاح کے ذریعہ انسان اپنے نصف دین کی تکمیل کر لیتا ہے اور اپنے نفس کو حرام میں مبتلا ہونے سے بچا لیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

”إذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتق الله في النصف الباقي“^(۲) (جب انسان نکاح کر لیتا ہے تو نصف دین کی تکمیل کر لیتا ہے تو اسے باقی نصف کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے)۔

اسلام نے نکاح کے سلسلہ میں نہ تو بالغ لڑکیوں کو آزاد رکھا ہے کہ وہ جہاں چاہیں اولیاء کی مرضی اور رضامندی کے بغیر نکاح کر لیں اور نہ تو اولیاء کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ بالغ لڑکیوں کی اجازت و رضامندی کے بغیر جہاں چاہیں ان کا نکاح کر دیں، بلکہ نکاح کی مصلحت اس میں ہے کہ یہ رشتہ دونوں کے باہمی اعتماد اور ان کی رضامندی سے انجام پائے۔ عموماً لڑکیاں ناتجربہ کار ہوتی ہیں اور جذبات میں آکر غلط لڑکوں سے رشتہ کر لیتی ہیں اور اپنی نادانی اور نا عقلی کی وجہ سے غلط ماحول میں جانے پر آمادہ ہو جاتی ہیں، اس لئے اولیاء سے کہا گیا ہے کہ ان کی اجازت اور مرضی سے مناسب جگہ رشتہ طے کریں، تاکہ رشتہ میں پائیداری ہو، اور اس کے مفید اور بہتر نتائج ظاہر ہوں۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے نکاح کے معاملہ میں ولی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے

ارشاد فرمایا:

(۱) مشکاۃ / ۲۶۸۔

(۲) مشکاۃ / ۲۶۸۔

”أیما امرأة نکحت نفسها بغير إذن ولیها فنکاحها باطل، فنکاحها باطل فنکاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی له“^(۱) (جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کر لیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پھر اگر اس نے اس کے ساتھ دخول کر لیا تو اس کے لئے مہر ہوگا، اس بنا پر کہ اس نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا ہے، پھر اگر اولیاء کا اخذ نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں ہے)۔

اس حدیث میں بطلان سے مراد حقیقی بطلان نہیں ہے، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں ولی کو اعتراض کا حق ہوگا۔

اور جناب نبی کریم ﷺ نے بالغ لڑکی کی اجازت کو نکاح میں ضروری قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”لا تنکح الأیم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا: یا رسول اللہ وکیف إذنہا؟ قال: أن تسکت“^(۲) (ثیبہ بالغہ کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہیں کیا جائے گا اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ خاموش رہ جائے)۔

اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:

”الأیم احق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها وإذنہا صماتہا“^(۳) (بالغہ ثیبہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے، اور باکرہ سے اس کے

(۱) مشکاة ۲۷۰/۲۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

نکاح کے بارے میں اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔
 نبی کریم ﷺ نے بالغ لڑکی کے نکاح کو جو اس کی اجازت کے بغیر کیا گیا، مسترد فرما دیا
 ، چنانچہ بخاری کی روایت ہے : خنساء بنت خدام کا نکاح ان کے والد نے ان کی رضامندی کے
 بغیر کر دیا حالانکہ وہ شیبہ تھیں، انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور پھر اس معاملہ کو لے کر نبی ﷺ کی
 خدمت میں تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کے نکاح کو مسترد فرما دیا^(۱)۔
 اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے:

”أن جارية بكرة أتت رسول الله ﷺ فذكرت أن أبها زوجها وهي
 كارهة فخيرها النبي ﷺ (رواه ابوداؤد)“^(۲) (ایک باکرہ خاتون نبی کریم ﷺ کی
 خدمت میں آئی اور ذکر کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا حالانکہ یہ اسے ناپسند کر رہی تھی
 ، تو نبی ﷺ نے اسے اختیار دیا)۔

عورتوں کو اولیاء کی اجازت اور ان کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے سے منع کیا گیا
 ہے، ارشاد نبوی ہے: (عورت، عورت کا نکاح نہ کرے، اور نہ عورت اپنا نکاح خود کرے، اس
 لئے کہ وہ زانیہ ہے جو اپنا نکاح اپنے طور پر کر لیتی ہے)^(۳)۔

یہ واضح رہے کہ شریعت اسلامی نے اولیاء کو لڑکیوں کے معاملات میں تصرف کا جو
 اختیار دیا ہے اس کی بنیاد ان کے ساتھ محبت و شفقت اور ان کے مفادات کی رعایت و حفاظت
 ہے، لہذا ولایت کی بنا پر انہیں ایسے ہی تصرفات کا اختیار ہوگا جن میں لڑکیوں کے مفادات کا
 تحفظ ہو۔

(۱) مشکاة، ۲۰۷۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

۱- عاقلہ بالغہ لڑکی کو ڈرا دھمکا کر یا نفسیاتی دباؤ میں لا کر نکاح کے لئے تیار کرنا:
یہ صورت اکراہ اور جبر کی ہے۔ حالت اکراہ کی طلاق اور نکاح کے وقوع اور عدم وقوع کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ وقوع کے قائل ہیں۔ امام شیعہ، نجفی اور ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ یہ حضرات اس معاملہ میں اکراہ کو مؤثر نہیں مانتے ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل عدم وقوع کے قائل ہیں اور اکراہ کو نکاح و طلاق کے معاملہ میں مؤثر و معتبر قرار دیتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی: "لا طلاق فی اغلاق" (۱) سے استدلال کیا ہے، یعنی اکراہ کی طلاق معتبر نہیں ہے۔

حنفیہ نے ارشاد نبوی: "ثلاث جد هن جد وهزلهن جد: الطلاق والنكاح، والرجعة" (۲) سے استدلال کیا ہے، یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے، اور ہنسی مذاق بھی سنجیدگی ہے۔ ہنسی مذاق کی صورت میں شریعت نے نکاح اور طلاق کو معتبر مانا جبکہ ایسی حالت میں عاقل بالغ انسان صریح الفاظ کا استعمال کرتا ہے، صرف اس کے حکم پر رضامند نہیں ہوتا ہے تو شریعت نے اس کا اعتبار کیا اور اس کو نافذ و معتبر قرار دیا۔ اکراہ کی حالت میں مکروہ اپنے اختیار و ارادہ سے نکاح و طلاق کے الفاظ کا تلفظ کرتا ہے جو سبب میں کامل ہے، مگر یہ کہ وہ اس کے حکم پر راضی نہیں ہے، اس لئے اکراہ کو غیر مؤثر مانا جائے گا اور اس کی طلاق و نکاح کو درست قرار دیا جائے گا (۳)۔

- (۱) مشکاة ۲۷۰-
(۲) مشکاة ۲۷۰-
(۳) مرقاة المفاتیح۔

علامہ کاسانی نے ”بدائع الصنائع“ میں حالت اکراہ کی طلاق اور نکاح کے وقوع پر

بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”تصرفات شریعہ کی دو قسمیں ہیں، انشاء اور اقرار، پھر انشاء کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو فسخ کا احتمال رکھتی ہے، وہ چیزیں جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی ہیں، یہ ہیں: طلاق، عتاق، رجعت، نکاح، یمین، نذر، ظہار، ایلاء، فی فی ایلاء، تبرع اور قصاص میں معافی، یہ تصرفات ہمارے نزدیک اکراہ کے ساتھ جائز ہیں“ (۱)۔

۲- نکاح میں اکراہ مؤثر نہیں ہے:

یہ بھی اکراہ کی صورت ہے۔ لڑکی اپنی حقیقی رضا کے بغیر بھی اگر وہ کسی دباؤ اور جبر و اکراہ کے وجہ سے ”ہاں“ کہہ دیتی ہے اور زبان سے نکاح کا اقرار کر لیتی ہے تو اس کا قول اور تصرف معتبر قرار پائے گا، اور نکاح صحیح و درست ہو جائے گا۔ صحت نکاح پر اکراہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن اگر لڑکی نے زبان سے اقرار اور الفاظ نکاح کے اظہار کے بجائے کسی تحریر پر صرف اپنا دستخط کر دیا، مثلاً یہ کہ میں نے قبول کر لیا، یا مجھے منظور ہے تو یہ معتبر نہیں ہوگا (۲)۔

۳- معاشرتی فرق کا لحاظ:

فقہاء نے جن چیزوں میں کفایت کا اعتبار کیا ہے، ان میں سب سے اہم اور متفق علیہ چیز دین داری اور تقویٰ ہے، لہذا اگر دیندار اور متقی لڑکی کا رشتہ اس کے گھر والے کسی فاسق، فاجر، لڑکے سے کرنا چاہیں تو وہ لڑکا اس لڑکی کے حق میں کفو نہیں قرار پائے گا، اور اس صورت میں عدم

(۱) بدائع الصنائع ۶/۱۹۴ شرح النقایۃ ۲/۵۲۹، البحر الرائق ۸/۱۲، بدائع الصنائع ۷/۱۸۴، درر الحکام

فی شرح غرر الاحکام، در مختار علی ہامش الرد ۵/۸۶۔

(۲) در مختار علی ہامش الدر ۳/۲۱۳۔

کفایت کی وجہ سے لڑکی کو حق تفریق حاصل ہوگا، مگر سوال سے یہ واضح نہیں ہو رہا ہے کہ برطانیہ اور ہندوستان کے ماحول سے کیا مراد ہے، اور کس چیز کو بنیاد بنا کر معاشرتی فرق کی بات کہی جا رہی ہے۔ واضح رہے کہ ماحول کی آزادی، عریانیت، بے حیائی اور اس طرح کی دیگر چیزوں میں کفایت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے معاشرتی فرق کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔

۴- حالت اکراہ میں کئے گئے نکاح کو فسخ کرنے کا حق قاضی شریعت کو ہے:

ثبوت اکراہ کے بعد قاضی شریعت یا اس کی عدم موجودگی میں شرعی کونسل کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

جبری شادی

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی

امارت شریعہ، پٹنہ

۱- نکاح ایسا عقد ہے جو زندگی بھر کے لئے کیا جاتا ہے، اسی لئے متعہ با تفاق فقہاء حرام و ناجائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ محرم عورتوں کی فہرست پیش کرنے کے بعد بقیہ تمام عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن اس سلسلے میں مزید ہدایات دی گئیں کہ ایسے دو افراد میں یہ رشتہ کیا جائے جن میں زندگی بھر اسے قائم رکھنے کی توقع ہو۔ بعض ہدایات کی رعایت ضروری ہے، جبکہ بعض کی رعایت بہتر و مناسب ہے، مثلاً عمر، تعلیم، معاشرت وغیرہ۔

۲- نرّیوں کے اولیاء کو اچھی طرح یہ بات بتائی جائے کہ یہ رشتہ جن مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے، ان میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ یہ رشتہ باہمی رضامندی سے پوری طرح غور و فکر کر کے کیا جائے۔

۳- حنفیہ نے ناحق اکراہ کی دو قسمیں کی ہیں: ۱- اکراہ ملجی، ۲- اکراہ غیر ملجی۔
اکراہ ملجی یہ ہے کہ جان مارنے یا کوئی عضو ضائع کرنے یا سارا مال ضائع کرنے کی دھمکی ہو۔

اکراہ غیر ملجی یہ ہے کہ جان مارنے یا کسی عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی نہ ہو، مثلاً کم مدت کی قید، یا ایسی مار کی دھمکی ہو جس سے جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

”تقسيم الإكراه إلى ملجئ و غير ملجئ يتفرد به الحنفية، فالإكراه الملجئ عندهم هو الذي يكون بالتهديد بإتلاف النفس أو عضو منها أو بإتلاف جميع المال أو بقتل من يهيم الإنسان أمره..... والإكراه غير الملجئ هو الذي يكون بما لا يفوت النفس أو بعض الأعضاء كالحبس لمدة قصيرة، والضرب الذي لا يخشى منه القتل أو تلف بعض الأعضاء“^(۱)۔

حنفية کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک اکراہ کی یہ تقسیم نہیں ہے، لیکن انہوں نے اکراہ کے تحقق اور عدم تحقق سے بحث کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اکراہ صرف وہی ہے جس کو حنفیہ اکراہ ملجئ کہتے ہیں۔ جس اکراہ کو حنفیہ غیر ملجئ کہتے ہیں، ان کے بارے میں ان کے یہاں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ یہ اکراہ معتبر ہے۔

دوسری روایت ہے کہ یہ اکراہ معتبر نہیں ہے:

”اما غير الحنفية فلم يقسموا الإكراه إلى ملجئ وغير ملجئ كما فعل الحنفية، ولكنهم تكلموا عما يتحقق به الإكراه وما لا يتحقق، ومما قرروه في هذا الموضوع يؤخذ أنهم جميعاً يقولون بما سماه الحنفية إكراهاً ملجئاً، أما ما يسمي بالإكراه غير الملجئ فإنهم يختلفون فيه. فعلى إحدى الروايتين عن الشافعي وأحمد يعتبر إكراهها، وعلى الرواية الأخرى لا يعتبر إكراهها“^(۲)۔

۳۔ فقہاء نے اکراہ کے تحقق کی جو شرائط ذکر کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قتل یا کسی عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی ہو، یا عضو کے باقی رہتے ہوئے اس کی منفعت کے اتلاف کی دھمکی ہو یا عزت و آبرو کے برباد کرنے کی دھمکی ہو۔

(۱) الموسوعة الفقهية (بحث اکراہ) ۶/۱۰۵۔

(۲) الموسوعة الفقهية ۶/۱۵۰۔

”الشريطة الثالثة: أن يكون ماهدد به قتلا أو إتلاف عضو ولو با ذهاب قوته مع بقائه كإذهاب البصر أو القدرة على البطش أو المشي مع بقاء أعضائها أو غيرهما مما يوجب غما يعدم الرضا، ومنه تهديد المرأة بالزنى والرجل باللواط“^(۱)۔

۵۔ عاقلہ بالغہ لڑکی کو ڈرا دھمکا کر یا زد و کوب کر کے یا نفسیاتی دباؤ میں لا کر یا پاسپورٹ ضائع کر دینے کی سخت دھمکی دے کر اس سے نکاح کے لئے ہاں کہلوایا جاتا ہے۔ یہ دراصل حنفیہ کے یہاں اکراہ غیر ملجئی ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے یہاں ایک قول کے مطابق اکراہ نہیں ہے۔

۶۔ حنفیہ کے یہاں فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں اکراہ کے اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ وہ عقود جو قابل فسخ نہیں ہوتے، یا جن میں خیار شرط صحیح نہیں ہے، ان میں اکراہ خواہ ملجئی ہی کیوں نہ ہو، مؤثر نہیں ہے، ان ہی میں نکاح بھی ہے، اس لئے اگر اکراہ کے ساتھ نکاح کیا جائے تو نکاح حنفیہ کے یہاں صحیح ہوگا۔

”ولكنهم استثنوا من ذلك بعض التصرفات فقالوا بصحتها مع الإكراه ولو كان ملجئا، ومن هذه التصرفات: الزواج، والطلاق، ومراجعة الزوجة والنذر واليمين“^(۲)۔

فقہاء حنفیہ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ شارع نے ان تصرفات میں صرف الفاظ کو ان کے معنی کے قائم مقام قرار دیا ہے، جب الفاظ پائے جائیں گے تو معنی پر ان کا اثر مرتب ہوگا، خواہ بولنے والا اس معنی کا ارادہ کرے یا نہ کرے، اس پر مرتب ہونے والے اثرات سے راضی ہو یا نہ ہو؟

(۱) الموسوعة الفقهية ۱۰۱، ۱۰۲۔

(۲) الموسوعة الفقهية ۱۰۶، ۱۰۷۔

”وعللوا هذا بأن الشارع اعتبر اللفظ في هذه التصرفات . عند القصد إليه . قائما مقام إرادة معناه، فإذا وجد اللفظ ترتب عليه أثره الشرعي، وإن لم يكن لقائله قصد إلى معناه كما في الهازل، فإن الشارع اعتبر هذه التصرفات صحيحة إذا صدرت منه مع انعدام قصده إليها، وعدم رضاه بما يترتب عليها من الآثار“^(۱)۔

۷۔ حنابلہ کے یہاں بھی اکراہ کے ساتھ اگر نکاح کیا جائے تو صحیح ہوگا:

”يختلف أثر الإكراه عند الحنابله باختلاف المكره عليه، فالتصرفات القولية تقع باطلة مع الإكراه إلا النكاح، فإنه يكون صحيحا مع الإكراه قياسا للمكره على الهازل“^(۲)، وإذا عقد النكاح هازلا أو تلجئة صح، لأن النبي ﷺ قال: ثلاث هزلهن مجد، وجد هن جد: الطلاق والنكاح والرجعة . رواه الترمذی . وعن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ: من نكح لاعبا أو طلق لاعبا أو أعتق لاعبا جاز، وقال عمر: أربع جائزات إذا تكلم بهن: الطلاق والنكاح والعتاق والنذر . وقال علي: أربع لا لعب فيهن: الطلاق والعتاق والنكاح والنذر“^(۳)۔

۸۔ امام شافعی کے یہاں تو باکرہ بالغہ لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے، یعنی اس کا نکاح کرنے کے لئے ولی کو اس سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، ایسی صورت میں ان کے یہاں نکاح کے باب میں ولی کی طرف سے اکراہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

(۱) الموسوعة الفقهية ۱۰۶/۶۔

(۲) الموسوعة الفقهية ۱۱۰/۶۔

(۳) المغنی ۳۳۵/۶۔

”ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح خلافا للشافعي، له

الاعتبار بالصغيرة، وهذا لأنها جاهلة بأمر النكاح لعدم التجربة، ولهذا يقبض الأب صداقها بغير أمرها^(۱).

ولا يجوز للأب والجد تزويج البكر من غير رضاها صغيرة كانت أو

كبيرة لما روي عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: الثيب أحق بنفسها من وليها.

والبكر يستأمرها أبوها في نفسها. فدل على أن الولي أحق بالبكر وإن كانت بالغة فالمستحب أن يستأذنها للخبر^(۲).

۹- یہ امر بھی قابل غور ہے کہ برطانیہ اور دوسرے ممالک میں بسنے والے مسلمان وہاں کے

معاشرہ میں پھیلی بے راہ روی، عریانیت، بے پردگی، اور فحاشی سے بچنے کے لئے تو نہیں اپنی

بچیوں کی شادی ہندوستان و پاکستان کے دین دار گھرانوں میں کرنا چاہتے ہیں؟ اور لڑکیاں جو

اس بے راہ روی کی عادی ہو چکی ہوتی ہیں وہ کسی بھی طرح یہ گوارا نہیں کرتیں کہ اس گندے ماحول

سے الگ کر کے اس ماحول میں ان کو لایا جائے جو ان کی نفسانیت کے بالکل خلاف ہے، اگرچہ

ان کی ان خرابیوں کے ذمہ داران کے والدین اور اولیاء بھی ہیں، لیکن وہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنی

بچیوں کو اس گندے ماحول سے نکالنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ جبر و اکراہ کا سہارا لیتے ہیں، تو

اس کو اکراہ غیر مشروع کہنا میرے خیال میں صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس اکراہ میں نہ تو کوئی ظلم ہے اور

نہ کوئی گناہ ہے:

”الإكراه بحق. هو الإكراه المشروع أي الذي لا ظلم فيه ولا إثم.

وهو ما توافق فيه أمران: الأول: أن يحق للمكره التهديد بما هدد به. والثاني: أن

(۱) ہدایہ ۲/۲۹۳۔

(۲) مجموعہ ۱۶۴/۱۶۵۔

يكون المكره عليه مما يحق للمكره الإلزام به، وعلى هذا فإكراه المرتد على الإسلام إكراه بحق حيث توافر فيه الأركان. وكذلك إكراه المدین القادر على وفاء الدين وإكراه المولى على الرجوع إلى زوجته أو طلاقها إذا مضت مدة الإيلاء“ (۱)۔

۱۰۔ برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک میں رہنے والی لڑکیوں اور ہندوستان و پاکستان میں بسنے والے لڑکوں کے درمیان جو معاشرتی فرق ہے، اگر اس سے مراد وہاں کی عریانیت و بے پردگی وغیرہ ہے تو ظاہر ہے ان حالات میں یہ کہنا کہ لڑکا لڑکی کا کفو نہیں ہے، اس لئے بر بنائے عدم کفایت فنسح نکاح کا حق ہے، صحیح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عدم کفایت کی بنا پر اعتراض کا حق اولیاء کو ہوتا ہے، لڑکی کو نہیں، اس لئے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۱۔ البتہ اگر نکاح کے بعد قاضی کے سامنے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ نکاح غیر شرعی اور ناحق اکراه کے ذریعہ یا گیا ہے تو وہ اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، اس لئے کہ ناحق اکراه حرام ہے، گناہ کبیرہ اور دین کے معاملہ میں لا پرواہی ہے، اس لئے ظلم ہے اور رفع ظلم و جور قاضی کا فریضہ ہے۔

”الإكراه بغير حق ليس محرماً فحسب بل هو أحد الكبائر، لأنه أيضا ينسب بقلة الاكتراث بالدين، ولأنه من الظلم وقد جاء في الحديث القدسي: يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرماً فلا تظالموا“ (۲)۔

(۱) الموسوعة الفقهية ۶/۱۰۴۔

(۲) الموسوعة الفقهية ۶/۱۰۱۔

جبری شادی

مفتی انور علی اعظمی

دارالعلوم منو

۲، ۱ - جن فقہاء کے نزدیک اِکْرَاهِ مَوْثِرِ ہے ان کے یہاں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک حالت اِکْرَاهِ الْعَقْدِ نکاح میں مَوْثِرِ نہیں ہے۔ فقہاء حنفیہ اِکْرَاهِ كُوْهْرِلْ کے ساتھ جوڑ کر اس حال کے تصرفات میں نکاح، طلاق اور عتاق کو نافذ کرتے ہیں، اس لئے ائمہ ثلاثہ کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک نکاح منعقد ہوگا، البتہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد اس مسئلہ میں انگ رائے رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک حالت اِکْرَاهِ كَانْكَاحِ مَوْثِرِ رہے گا، اِکْرَاهِ كُوْهْرِلْ ہونے کے بعد اِکْرَاهِ اجازت دے تو نافذ ہوگا اور اِکْرَاهِ باطل کر دے تو باطل ہو جائے گا^(۱)۔

۳ - دونوں کا معاشرتی فرق عدم کفایت کے لئے کافی نہیں ہے، جب تک کہ کوئی دوسرا معتبر سبب موجود نہ ہو۔

۴ - اگر زن و شوئی کے تعلقات قائم ہونے سے پہلے ہی زوجین میں تفریق ہوئی تو شوہر پر کچھ لازم نہیں ہوگا، مثلاً شوہر کفو نہیں تھا، لڑکی نے عدم کفایت کا دعویٰ کیا اور قاضی نے تفریق کر دی یا نکاح مہر مثل سے کم پر ہوا تھا، شوہر سے مہر مثل پورا کرنے کا مطالبہ کیا اور اس نے انکار کر دیا، دوسری طرف بیوی مہر میں کمی پر راضی نہیں ہے، پس قاضی تفریق کر دے تو اس طرح

(۱) بدائع ۷، ۱۸۸، ہدایہ رد المحتار بحوالہ حاشیہ المدخل ۱۰۱، ۱۰۲۔

کی صورت میں شوہر پر کچھ لازم نہیں ہے، کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے آتی ہے^(۱)۔ اور اگر زن و شوئی کے تعلقات قائم ہو چکے تھے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا دخول زبردستی شوہر کی طرف سے وجود میں آئے، عورت اس کے لئے بالکل رضا مند نہ ہو یا اس کی رضا مندی کے ساتھ یہ عمل ہو۔ زبردستی دخول کی صورت میں عورت کو عدم کفایت اور مہر کے مہر مثل سے کم ہونے دونوں بنیادوں پر اختیار تفریق حاصل ہے^(۲)۔

۵۔ اس صورت میں قاضی یا شرعی کونسل کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

اس کی واضح دلیل سنت نبوی میں موجود ہے۔ خنساء بنت خدام کا نکاح ان کے باپ نے کر دیا، وہ بالغہ تھیں اور اس نکاح پر راضی نہیں تھیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تشریف لائیں پھر آپ ﷺ نے ان کا نکاح رد کر دیا^(۳)۔

امام نسائی اور امام احمد نے حضرت عائشہ کی سند سے ایک دوسرا واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ ایک جوان عورت کا نکاح اس کے باپ نے اپنے بھتیجے سے زبردستی کر دیا تھا، وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ نے معاملہ عورت کے حوالہ کر دیا^(۴)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا عمل ہمارے لئے سب سے بڑی دلیل ہے زبردستی کی صورت میں آپ ﷺ نے ایک موقع پر لڑکی کو اختیار دیا اور ایک موقع پر نکاح فسخ کر دیا، ان دونوں صورتوں سے لڑکی کی مشکل کو دور کیا جا سکتا ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۶/۱۹۸۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۱۹۹۔

(۳) بخاری بروایت خنساء بنت خدام، نیز عبدالرزاق بروایت ابن عمر، نصب الرایۃ بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۴۰۴۔

(۴) الفقہ الاسلامی ۵/۴۰۴۔

جبری شادی کا شرعی حکم

مولانا اختر امام عادل
جامعہ ربانی منور و اشرف، سمٹی پور

نکاح ایک ایسا رشتہ ہے جو دو شخصوں کو تا عمر کے لئے ایک بندھن میں باندھ دیتا ہے اور دونوں وراثت اس رشتہ کو نبھانا ہوتا ہے، اسی لئے اس کی بنیاد عاقدین کی رضا مندی اور خود مختاری پر رکھی گئی ہے اور اس معاملہ میں زور و زبردستی کرنے سے روکا گیا ہے۔ احادیث میں صاف ہدایت دی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تنکح الثیب حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن وإذنها الصموت“^(۱) (ثیبہ کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ کی خاموشی اجازت ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الأیمہ أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن وإذنها صماتها“^(۲) (ثیبہ اپنے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور باکرہ سے اس کے معاملے میں اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے)۔

(۱) ترمذی شریف ۲۱۰۱ کتاب النکاح۔

(۲) ترمذی شریف ۲۱۰۱۔

حضرت ابوہریرہؓ حضور اکرم ﷺ کا فرمان نقل فرماتے ہیں:

”الیتیمۃ تستأمر فی نفسہا فإن صمتت فهو إذنہا وإن أبت فلا جواز علیہا“^(۱) (باکرہ لڑکی سے اس کے معاملے میں پوچھا جائے گا، اگر وہ خاموش رہے تو اجازت مانی جائے گی اور اگر انکار کرے تو کوئی گنجائش نہیں)۔

عہد نبوی میں ان والدین کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی جنہوں نے اپنی لڑکیوں کی شادی ان کی مرضی کے خلاف کر دی۔

یہ رضامندی کا رشتہ ہے، زندگی بھر کا سودا ہے، زندگی ایک ساتھ لڑکے لڑکی کو گزارنا ہے، والدین کا کیا ہے اور نہ وہ بہت دنوں تک دنیا میں باقی رہیں گے، لیکن ان کے بچوں کی زندگی اجیرن بن کر رہ جائے گی، یا یہ مقدس رشتہ ٹوٹ کر بکھر جائے گا، اس لئے اس معاملہ میں ہرگز کسی جبر و اکراہ سے کام نہیں لینا چاہئے۔

ایجاب و قبول اظہار رضامندی کے ذریعہ:

لیکن اس کے باوجود نکاح ایک معاملہ ہے اور اسی لئے دیگر معاملات کی طرح اس کو بھی بیٹھ کر باقاعدہ طے کرنا پڑتا ہے، اور زبانی طور پر ایجاب و قبول ہوتا ہے، اس لئے اس معاملہ کی بنیاد باطن امر پر نہیں بلکہ دلیل ظاہر پر رکھی گئی ہے۔ اندر کی پسند و ناپسند کو جاننے کے لئے ہی ایجاب و قبول مشروع کیا گیا ہے، ورنہ اس کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے ایجاب و قبول دراصل اندر کی پسند کا رسمی اظہار ہے، حقیقت میں پسند ہے یا نہیں دیگر بہت سے ابواب کی طرح نکاح میں بھی اس پر مدد نہیں رکھا گیا۔ ہر انسان اپنے اظہار اور الفاظ کا پابند ہے، اگر اس کو پسند نہیں تو پسند کا اظہار کیوں؟ کہا جاسکتا ہے کہ جبر و اکراہ یا بعض ناگزیر حالات کی بنا پر پسند کا اظہار کرنا پڑتا ہے، مگر یہ بھی دراصل اضافی طور پر پسندیدگی ہی کا ثبوت ہے، کہ اس نے ناگزیر حالات کے

(۱) ترمذی شریف ۲۱۰۱۔

مقابلے میں زیادہ آسان اس رشتہ کو سمجھا، بہر حال نفس رضا مندی کا انکار ممکن نہیں، کسی ویشی ممکن ہے، مگر حالت اکراہ میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں پسند موجود ہوتی ہے۔ ہمیشہ آدمی بڑی مصیبت کے مقابلے چھوٹی مصیبت کو پسند کرتا ہے، جب کہ فی نفسہ مصیبت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ یہی حال جبر و اکراہ کے نکاح کا بھی ہے۔ ممکن ہے فریقین میں سے کسی فریق کو یہ رشتہ فی نفسہ پسند نہ ہو، مگر سامنے جو خطرات منڈلا رہے ہیں ان سے بچنے کے لئے اس ناپسندیدہ رشتہ کو پسند کرنا پڑتا ہے، غرض پسندیدگی اور رضا مندی بہر صورت موجود ہے، خواہ کسی درجہ کی ہو۔

ایک حدیث سے رہنمائی:

اسی لئے فقہ اسلامی میں عام ضابطہ کے طور پر ایجاب و قبول کو بنیاد بنایا گیا ہے اور رضا مندی و پسندیدگی کو پیمانوں سے ناپنے سے گریز کیا گیا ہے، ایک حدیث میں بھی اس کی طرف رہنمائی کی گئی ہے:

”ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة“^(۱)

(تین چیزیں ایسی ہیں جن میں ارادہ بھی ارادہ ہے اور مذاق بھی ارادہ ہے: نکاح، طلاق اور رجعت)۔

جبکہ مذاق کے وقت انسان مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی چیز کے معاملے میں فی الواقع سنجیدہ نہیں ہوتا، اور نہ ان چیزوں کے ارتکاب کا اس کا کوئی حقیقی ارادہ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود محض الفاظ کی ادائیگی پر بنیاد رکھی گئی اور حکم سنجیدگی والا لگایا گیا، غور کیا جائے تو قصد و ارادہ کے باب میں ہزل کا معاملہ اکراہ سے زیادہ کمزور ہے، اکراہ میں قصد تو ہوتا ہے، رضا مندی نہیں ہوتی اور ہزل میں کچھ نہیں ہوتا۔

(۱) مشافہۃ: ۲۸۳۔

نکاح کی بنیاد رضا پر نہیں، دلیل رضا پر ہے:

اسی طرح حدیث شریف کے اشارہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ نکاح کے باب میں حقیقی قصد و رضا کو کوئی دخل نہیں ہے، سارے احکام ظاہری الفاظ پر مرتب ہوتے ہیں، اسی لئے فقہاء نے اس میں رضا کا نہیں دلیل رضا کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ شامی "لیتحقق رضاہما" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل" (۱) (رضاء پر دلالت کرنے والے الفاظ و اعمال دونوں سے صادر ہوں، اس لئے کہ حقیقت رضا نکاح میں مشروط نہیں ہے، کیونکہ نکاح اکراہ اور ہزل کی صورت میں بھی درست ہو جاتا ہے)۔

علامہ کاسانی نے اس کی دو بنیادیں تحریر کی ہیں: ایک نقلی اور دوسرے عقلی۔

نقلی یہ ہے کہ اوشاد باری تعالیٰ ہے: "وأنكحوا الأيامي منكم" (۲) (تم میں جو لوگ بے نکاح ہیں ان کا نکاح کراؤ)، اس آیت کے عموم میں بخوشی نکاح اور بالجبر نکاح دونوں داخل ہیں۔

عقلی بنیاد یہ ہے کہ یہ ایک قولی تصرف ہے، اس لئے قول پر اس کا مدار ہوگا، اکراہ اس میں مؤثر نہ ہوگا:

"ولأن النكاح تصرف قولی فلا يؤثر فيه الإكراه كالطلاق والعتاق" (۳)۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۸۶/۳ کتاب النکاح۔

(۲) سورۃ نور ۳۲۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۱۹۸ کتاب الاکراہ۔

جبری شادی کے دیگر مسائل:

فقہاء نے جبری نکاح کے ذیل میں دوسرے مسائل کو بنیاد بنا کر بحثیں کی ہیں، مگر فی نفسہ جبر کو بنیاد بنانے سے گریز کیا ہے، اور دوسرے مسائل کو بھی بنیاد بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ عام طور پر جبری شادی میں بنیادی طور پر دو چیزوں کا مکمل لحاظ نہیں ہو پاتا، مہر مثل اور کفایت، یا یوں کہا جائے کہ جبر کا سبب بھی ان ہی دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کا عدم توازن بنتا ہے اور فریقین میں سے کسی فریق کی جانب سے بالعموم انکار بھی اسی بنیاد پر ہوتا ہے کہ وہ فریق مقابل کو اپنا کفو تصور نہیں کرتا، یا مہر کی مطلوبہ مقدار میں کمی یا بیشی محسوس کرتا ہے، اسی لئے فقہاء نے جبری شادی کے ذیل میں ان دونوں امور پر بحث کی ہے اور حل کی مختلف صورتیں تجویز کی ہیں۔

علامہ کاسائی نے اس پر بڑی بحث کی ہے، ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

جبری نکاح کی دو صورتیں ہیں:

۱- جبری نکاح لڑکے کا کیا گیا ہو اور لڑکی راضی ہو، ایسی صورت میں اگر مقررہ مہر مثل کے برابر یا اس سے کم ہے تو کوئی حرج نہیں، اس کو مہر مثل تو دینا ہی تھا اور اگر مہر مثل سے زیادہ ہے تب بھی نکاح درست ہے، البتہ مہر مثل کے برابر مہر واجب رہے گا اور اس سے زیادہ حصہ ساقط ہو جائے گا اور دونوں صورتوں میں جبر کرنے والے سے مہر کا بدلہ وصول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ شوہر کا مال ضائع نہیں ہوا، بلکہ اس کا بدل مل گیا ہے۔

۲- اور اگر جبری نکاح لڑکی کا کیا گیا ہو اور لڑکا راضی ہو، اس صورت میں اگر مقررہ مہر مثل کے برابر یا زیادہ ہے، تب تو کوئی حرج ہی نہیں اور اگر مہر مثل سے بہت کم ہو تب بھی نکاح جائز ہے، البتہ اس صورت میں دیکھنا یہ ہے کہ شوہر کفو ہے یا نہیں، اگر کفو ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ مہر مثل پورا کرو، ورنہ دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، اگر شوہر مہر مثل پورا کر دے تو نکاح لازم ہو جائے گا، اور اگر انکار کر دے اور عورت بھی کم پر راضی نہ ہو تو تفریق کر دی جائے گی

اور اگر دونوں کے مابین اب تک ازدواجی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا تو شوہر پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

لیکن اگر عورت صراحتاً یا دلالتاً مہر مثل پر راضی ہو جائے، زبان سے اظہار کر دے یا شوہر کو اپنے اوپر بخوشی قابو دے دے تو عورت کا حق تفریق باطل ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے اولیاء کو بھی حق تفریق نہ رہے گا۔

اور اگر فیصلہ تفریق سے قبل شوہر عورت سے زبردستی وطی کر لے تو شوہر پر مہر مثل کی تکمیل لازم ہوگی اور نکاح لازم ہو جائے گا۔

اور اگر شوہر لڑکی کا کفو نہ ہو تو عدم کفایت کی بنیاد پر لڑکی اور اس کے اولیاء کو حق تفریق حاصل ہوگا، اور اگر لڑکی راضی بھی ہو جائے تو اس کے اولیاء کو بہر حال حق تفریق حاصل رہے گا۔ عدم کفایت کی صورت میں اگر شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو اور تفریق ہو جائے تو شوہر پر کچھ بھی واجب نہیں^(۱)۔

جبری نکاح علی الاطلاق درست ہے:

غرض فقہ حنفی میں جبری نکاح کی صحت کا مسئلہ کبھی زیر بحث نہیں رہا، علامہ شامی کے دور میں بعض حضرات کی جانب سے قہستانی کے حوالے سے یہ خیال پیش کیا گیا تھا کہ فقہاء کے یہاں اس باب میں لڑکا اور لڑکی کے درمیان فرق ہے، لڑکے کی جبری شادی درست ہے، لڑکی کی نہیں۔ علامہ شامی نے اس کی سختی سے تردید کی اور اس کو محض وہم قرار دیا۔ اور کہا کہ قہستانی یا کسی بھی فقہ کے کلام میں اس قسم کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے، بلکہ علی الاطلاق مرد اور عورت دونوں کے لئے جواز نکاح کا حکم لگایا گیا ہے۔

”وأما ما ذكر من أن نكاح المكره صحيح إن كان هو الرجل، وإن كان هو المرأة فهو فاسد فلم أر من ذكره وإن أوهم كلام القهستاني السابق“

(۱) بدائع الصنائع ۶/۱۹۸، ۱۹۹ کتاب الاکراه۔

ذلك بل عبارتهم مطلقة في ان نكاح المكره صحيح، كطلاقه وعتقه مما
 يصح مع الهزل ولفظ المكره شامل للرجل والمرأة، فمن ادعى التخصيص
 فعليه اثباته بالنقل الصريح“^(۱)۔

اولیاء کے اِکراہ کی بحث:

بلکہ فقہاء کے مباحث پر غور کرنے سے ایک بات اور محسوس ہوتی ہے کہ جبری شادی
 کے تعلق سے تمام تر مباحث کا رخ اس جبر و اِکراہ کی طرف ہے جو غیروں کی طرف سے یا غیر متعلق
 اشخاص کی جانب سے پیش آیا ہو، اگر خود اولیا اپنے لڑکے یا لڑکی پر جبر کریں اس سے فقہاء نے
 بحث نہیں کی ہے اور جبر و اِکراہ کی عام صورتوں پر اکتفاء لیا ہے، غالباً اس کی دو وجوہات ہیں:

۱۔ جب غیروں کا اِکراہ صحت نکاح میں مؤثر نہیں جن سے بالعموم ہمدردی و خیر خواہی
 کی امید نہیں کی جاسکتی تو اپنے اولیا کا اِکراہ بدرجہ اولی مؤثر نہیں ہوگا، جن میں شفقت و خیر خواہی کا
 پہلو غالب ہوتا ہے۔

۲۔ لڑکا یا لڑکی اولیاء کے جس اصرار کو جبر و اِکراہ کا نام دے رہے ہیں، ممکن ہے
 فی الواقع وہ ان کی ناعاقبت اندیشی اور درحقیقت اولیاء کا نشان ان کے اچھے مستقبل کی تعمیر ہو۔ آج
 کے بچوں کی نگاہ ان باریکیوں تک کہاں پہنچ سکتی ہے جہاں تک ان کے بڑوں کی پہنچ سکتی ہے، اس
 لئے قاضی اور مفتی کو محض بچوں کی چیخ و پکار پر توجہ نہیں دینی چاہئے، بلکہ ان حقائق تک پہنچنے کی
 کوشش کرنی چاہئے جو اس باب میں ممکنہ حد تک ملحوظ ہو سکتے ہیں۔

ان تفصیلات سے درج ذیل مسائل پر بخوبی روشنی پڑتی ہے:

۱۔ اسلامی تعلیمات اور عقد نکاح کے مزاج کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ لڑکا اور لڑکی کی
 پوری رضامندی سے طے کیا جائے، اور اس باب میں کسی قسم کے جبر و اِکراہ کو راہ نہ دی جائے،

(۱) ردالمحتار الی الدر المختار ۴/۸۷ کتاب النکاح۔

ورنہ ایک تو یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوگا، دوسرے اس نکاح سے وہ مقاصد حاصل نہ ہوں گے جو نکاح میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

۲۔ لیکن اگر کوئی شخص ان تعلیمات اور منشا نکاح کا لحاظ نہ کر کے لڑکا یا لڑکی سے بھجرا کرہ کسی رشتہ کے بارے میں ہاں کہہ لے اور لڑکا اور لڑکی اپنے اولیاء یا دیگر حالات و مسائل کا غیر معمولی دباؤ محسوس کرتے ہوئے اپنی زبان سے ایجاب و قبول کر لیں، توفیقہ اسلامی کی روشنی میں یہ نکاح درست ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ تصرفات قولیہ میں سے ہے جن کی صحت میں اکراہ مؤثر نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں حالت اکراہ میں رضا مندی بالکلیہ مفقود نہیں ہوتی، نسبتاً رضا مندی موجود ہوتی ہے، پھر قصد و رضا کے باب میں اکراہ کا معاملہ ہزل سے بھی کمزور ہے، اس لئے کہ اکراہ میں قصد ہوتا ہے، رضا نہیں ہوتی جب کہ ہزل میں دونوں میں سے کچھ نہیں ہوتا، اس کے باوجود ہزل کی حالت کا نکاح با اتفاق فقہاء درست ہے، اس لحاظ سے حالت اکراہ کا نکاح بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

۳۔ برطانیہ کے ماحول میں رہنے والی لڑکی اور ہندوستان میں پرورش پانے والے لڑکے کے درمیان جو معاشرتی فرق ہے محض اس فرق کو شرعی کفایت کی بنیاد بنانا مشکل ہے، دیگر امور کفایت حسب و نسب، دین و مذہب، دینداری و تقویٰ، مال و دولت اور پیشہ و اشتغال میں اگر فرق نہ ہو اور مذکورہ امور لڑکا اور لڑکی کے درمیان مشترک ہوں تو محض مشرقیت و مغربیت یا اختلاف مکان یا تہذیبی و معاشرتی فرق کو کفایت کی قانونی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا، ورنہ دیہات کی تہذیب و معاشرت شہری تہذیب و معاشرت سے مختلف ہوتی ہے، ایک علاقے کا مزاج رہن سہن اور طرز معاشرت دوسرے علاقے سے الگ ہوتا ہے، لیکن فقہاء نے اس کو کفایت کے لئے قانونی درجہ دینے سے انکار کیا ہے۔

”القروي كفوء للمدني فلا عبرة بالبلد (در مختار) أي بعد وجود ما مر

من أنواع الكفاءة ، قال في البحر : فالتاجر في القرى كفاء لبنت التاجر في
المصر للتقارب^(۱)۔

(دیہاتی شہری کا کفو ہے، یعنی اگر کفایت کی تمام مطلوبہ چیزیں موجود ہوں تو علاقائی
اختلاف کا اعتبار نہیں، بحر میں ہے کہ دیہاتی تاجر شہری تاجر کی بیٹی کا کفو ہے، اس لئے کہ دونوں
میں تاجرانہ یکسانیت موجود ہے)۔

۴۔ جبری شادی میں اگر کفایت اور مہر مثل دونوں کی رعایت کی گئی ہو تو نکاح درست اور
لازم ہوگا اور میاں بیوی میں ازدواجی تعلق قائم ہونے کے بعد پورا، اور قائم ہونے سے قبل اگر
طلاق یا تفریق ہو جائے تو نصف مہر واجب ہوگا۔

اور اگر مہر مثل کی رعایت نہ کی گئی ہو تو شوہر کو مہر مثل کی تکمیل کا پابند کیا جائے گا، یا
عورت کو کم پر راضی کیا جائے گا، اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ بن سکے تو تفریق
کردی جائے گی، اس صورت میں اگر فیصلہ تفریق سے قبل شوہر عورت سے بالجبر وطی کر لے تو
نکاح لازم ہو جائے گا، اور شوہر پر مہر مثل کی تکمیل لازم ہوگی اور اگر تفریق سے قبل عورت سے
بخوشی وطی کر لے تو اس کا مطلب ہوگا کہ عورت مہر مثل سے کم پر راضی ہو گئی ہے، اس لئے نکاح
لازم ہو جائے گا اور عورت کا حق تفریق باطل ہو جائے گا۔

اور اگر دونوں میاں بیوی باہم کفو نہ ہوں تو عورت کو حق تفریق حاصل ہوگا، البتہ اگر
تفریق سے قبل عورت صراحتاً یا دلالتاً اس نکاح پر راضی ہو جائے تو اس کا حق تفریق باطل ہو جائے گا،
اس صورت میں اگر میاں بیوی میں جنسی تعلق کی نوبت نہیں آئی اور تفریق ہو گئی تو شوہر پر کچھ بھی
مہر واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ سبب تفریق شوہر نہیں ہے، البتہ اگر جماع کر لے تو مہر مقرر ہو واجب
ہوگا۔

(۱) ردالمحتار ۴/۲۱۹۔

۵- قاضی یا شرعی کونسل کے سامنے اگر اس طرح کا کیس آئے اور قاضی یا شرعی کونسل کو فریقین کے بیانات وغیرہ کے بعد اس بات کا یقین ہو جائے کہ لڑکی کو جبر و اکراہ کے ذریعہ نکاح پر مجبور کیا گیا تھا حالانکہ لڑکی کسی طرح نکاح کو منظور کرنے کے لئے راضی نہیں تھی، اور نہ اس شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی تھی، تب بھی اس کو محض جبر و اکراہ کی بنا پر فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا، شرعی کونسل کو دوسرے امور کی بھی چھان بین کرنی چاہئے اور اگر کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو اصلاح کر لے اور افہام و تفہیم کے ذریعہ لڑکی کو اس رشتہ پر آمادہ کرے، ورنہ محض جبر و اکراہ کی بنا پر قاضی یا شرعی کونسل کو فسخ نکاح کی اجازت نہیں ہوگی۔

جبری شادی

مفتی محبوب علی وجیہی (رامپور)

۲،۱ - بلاشبہ نکاح کے لئے عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضا مندی ضروری ہے۔ احادیث مبارکہ اس پر کثرت سے دلالت کرتی ہیں، لیکن ایک حقیقت رضا ہے اور ایک لفظی اور ظاہری رضا ہے۔ نکاح، طلاق، عتق ان کا تعلق ظاہری اور لفظی رضا سے ہے، یہاں تک کہ ہزل اور بلا قصد بھی اگر نکاح، طلاق، عتق کے الفاظ زبان سے ادا ہو جائیں گے تو نکاح، طلاق، عتق واقع ہو جائیں گے، پس معمولی اکراہ اور جبر کے ساتھ نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ ایسا جبر و اکراہ جس سے جان جانے کا یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا ظن غالب ہو، میرے نزدیک اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ ایسی لڑکیاں جن کا نکاح جبر و اکراہ کے ساتھ کر دیا جاتا ہے ان کو خلع کا حق حاصل ہے، وہ مسلم پنجابی اداروں میں خلع حاصل کر سکتی ہیں، پاسپورٹ کے ضائع کرنے کی دھمکی اگر لڑکی کے ظن غالب میں سچی ہے تو یہ بھی جبر و اکراہ کی دوسری صورت میں داخل ہے، اگر لڑکی کو دھوکہ دے کر نکاح پڑھوایا جائے تو اس صورت میں اس کا اذن نہیں ہوگا۔

۳ - معاشرتی فرق کوئی اہم چیز نہیں ہے، لڑکی ہندوستان یا پاکستان میں بیاہ کر آئے تو اس کو یہاں کے سانچہ میں ڈھل جانا چاہئے اور لڑکی یورپ گئی ہے تو اس کو وہاں کے سانچہ میں ڈھل جانا چاہئے۔

۴- نکاح کے بعد جو تعلقات زن و شوہر کے قائم ہوتے ہیں اس کا حکم الگ ہے، اور اگر نہیں قائم ہوئے ہیں تو اس کا حکم الگ ہے جو فقہاء پر ظاہر ہے۔

۵- اگر لڑکی کسی طرح بھی شوہر کے یہاں رہنا نہیں چاہتی تو قاضی یا شرعی کونسل کو پہلے خلع کی کوشش کرنا چاہئے اگر شوہر خلع کے لئے راضی نہ ہو تو پھر قاضی یا شرعی کونسل کو نکاح کے فسخ کا اختیار ہے۔

جبری شادی

ڈاکٹر مروان محمد محروس المدرس الاعظمیٰ، عراق

نکاح میں کفیات کا مفہوم اور اس کی تعیین میں عرف کا اثر

پہلی بحث: کفیات کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

الكفاءة: (زیر اور مد کے ساتھ)، اور المكافأة لغت میں ”کافاً“ کا مصدر ہے۔ یہ دونوں بطور اسم بھی استعمال ہوتے ہیں اور الكفاءة بدلہ کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: مالی بہ قبل ولا کفاءة یعنی مجھے اسے بدلہ دینے کی طاقت نہیں۔ حضرت حسان بن ثابت کا شعر ہے: وروح القدس لیس له کفاءة، (یعنی جبریل کی کوئی نظیر اور مثال نہیں)۔ حدیث میں آیا ہے: ”فنظر إليهم فقال: من يكافئ هؤلاء“ (آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: کون ہے جو ان لوگوں کے برابر ہو) اور احنف کی حدیث میں ہے: ”لا أقوم من لا كفاءة له“ (میں اس سے مقابلہ نہیں کرتا جس کے برابر کوئی نہ ہو)۔ الكفوء، الكفاءة: نظیر اور مساوی کو کہتے ہیں۔ اسی سے ہے: الكفاءة في النكاح ہم کہتے ہیں: فلان كفاء فلانة: جب کوئی مرد کسی عورت کا شوہر بن سکتا ہو، اس کی جمع أكفاء آتی ہے^(۱)۔ تكافأ الشيطان كما مطلب هوا:

(۱) لسان العرب، المعجم الوسيط اور الموسوعة الفقهية طبع کویت، جلد ۳۲۔

دو چیزیں ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ کافاء، مکافاة و کفاء کا مطلب ہے: برابر ہونا۔ عرب کہتے ہیں: الحمد لله كفاء الواجب یعنی اللہ تعالیٰ کے شایان شان تعریف، حدیث میں آیا ہے: "المسلمون تتكافأ دماءهم" یعنی دیات اور قصاص میں مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

فقہاء کی اصطلاح میں یہ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً کفاءۃ فی الدماء، کفاءۃ فی النکاح۔ نکاح کے باب میں کفاءت یہ ہے کہ چند مخصوص امور میں زوجین کے مابین برابری ہو^(۱)۔

وہ مخصوص امور یہ ہیں: شوہر کا بیوی کے حسب نسب، دین اور گھر وغیرہ میں برابر ہونا۔ برکتی نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ زوجین کے مابین مخصوص درجہ کی برابری یا شوہر کا بیوی کے مساوی ہونا ہے^(۲)۔

میری رائے اسی بنیاد پر یہ ہے کہ نکاح میں کفاءت کا مفہوم یہ ہے کہ مذکورہ امور میں شوہر بیوی کے برابر ہو۔

دوسری بحث: عرف کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

عرف لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو رسم و رواج اور معاملات میں لوگوں کے درمیان رائج ہو۔ عرف معروف کو بھی کہا جاتا ہے اور عرف گھوڑے کی گردن کے بال، اور مرغ کی کلغی کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح عرف سمندر کی موج اور اونچی جگہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے^(۳)۔ عرف، عرف عرف وغیرہ ایسے افعال ہیں جن کے مختلف صیغے آتے ہیں اور ہر صیغہ کے لغوی

(۱) ملاحظہ ہو: البحر الرائق جلد ۳، صفحہ ۷۱۳، الدر المختار و رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۸۴، الموسوعة الفقہیہ جلد ۳۲۔

(۲) دیکھیں: البرکتی، التعریفات الفقہیہ۔

(۳) المعجم الوسیط ۲/۵۹۵۔

اعتبار سے کئی معانی ہیں لیکن وہ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ ہم نے اپنی بحث سے متعلق معنی نقل کر دیئے ہیں۔ رہا عرف کا اصطلاحی معنی، تو عبداللہ بن احمد النسفی نے "المستصفیٰ" میں اس کی تعریف یوں کی ہے:

عرف: وہ چیز ہے جو عقلی لحاظ سے لوگوں کے ذہن میں بیٹھ گئی ہو اور جسے سلیم طبیعتوں نے قبول کر لیا ہو^(۱)۔

ابن عابدین نے عرف سے متعلق اپنے رسالہ میں یہی تعریف الاشباہ للیبیری کے حوالہ سے اور انہوں نے المستصفیٰ کے حوالہ سے نقل کی ہے^(۲)۔

لیکن یہ تعریف مکمل نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ دل میں کیا چیز بیٹھی اور وہ کیا ہے، جسے سلیم طبیعت والے قبول کریں۔ مناسب تھا کہ تعریف کے اندر یہ بات بھی آتی کہ وہ افعال جو دل میں بیٹھ جائیں اور فعل میں مثبت و منفی دونوں آتے ہیں (کیونکہ عدم فعل بھی ایک فعل ہے^(۳))۔ ارادۃ کسی چیز سے رکنا بھی فعل ہے۔ اسی وجہ سے اس پر انسان کا محاسبہ کیا جائے گا۔

برکتی نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ عرف وہ ہے جس کو عقل کی شہادت کے ساتھ دل مان جائیں اور طبائع سلیمہ اس قبول کر لیں^(۴)۔ عصر حاضر کی ایک جماعت نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ یہ وہ فعل، قول یا ترک ہے جو عام لوگوں میں متعارف ہو جائے اور لوگ اس پر چلنے لگیں^(۵)۔ لیکن یہ تعریف بھی پوری طرح دقیق نہیں، کیونکہ:

- (۱) دیکھئے: احمد نبی ابوسنہ، العرف والعادة فی رأی الفقہاء، مطبعہ ازہر جلد ۱۹، صفحہ ۸۔
- (۲) ابن عابدین، رسالہ نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف۔ مذکورہ تعریف میں لفظ عادت کا اضافہ ہے۔
- (۳) نثار العقول فی علم الاصول از ڈاکٹر محمد محروس المدرس۔
- (۴) البرکتی، التعریفات الفقہیہ۔
- (۵) محمد مصطفیٰ شلمسی: المدخل فی التعریف بالفقہ الاسلامی، دار النہضتہ العربیہ ۱۹۶۹ء، ص ۲۶۰، نیز دیکھئے: عبد الوہاب خلاف، علم اصول الفقہ، دار القلم، کویت، ص ۸۹، نیز اسی مفہوم میں ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کی الوجیز

۱- اہل منطق کے مطابق اس تعریف میں ”دور“ ہے، کیونکہ اس میں عرف لفظ تعارف پر مبنی ہے۔

۲- تعریف حقیقی نہیں جو اہل منطق کے نزدیک شرط ہے۔

۳- اس تعریف میں ترک کو ایک فعل نہیں قرار دیا گیا جبکہ جو بات معلوم ہے وہ اس کے برخلاف ہے (لہذا ترک کو بھی فعل کے زمرہ میں رکھنا چاہئے)۔ ہماری پسندیدہ تعریف وہی ہے جو نسفی نے کی ہے، اس قید کے ساتھ جو ہم نے لگائی ہے۔

اکثر فقہاء عادت اور عرف کو ایک جیسا قرار دیتے ہیں^(۱)۔

بعض کا کہنا ہے کہ عادت عرف سے عام اور وسیع ہے^(۲)۔

میری رائے یہ ہے کہ یہ محض اصطلاحی مسئلہ ہے، اور ”ولا مشاحۃ فی الاصطلاح“ (اصطلاح میں بحث و مباحثہ کی چنداں ضرورت نہیں)، اور یہ معلوم ہی ہے کہ خود اصطلاح بھی ایک خاص قسم کا عرف ہوتا ہے، لہذا اس پر غور کیا جانا چاہئے^(۳)۔

عرف کبھی عملی ہوتا ہے اور کبھی قولی۔ عرف عملی وہ ہے جس پر عمل ہوتا ہو، چاہے وہ عام ہو جیسے بغیر کسی وقت یا اجرت کی تعیین کے حمام میں داخل ہونا یا کسی شہر کے ساتھ خاص ہو، جیسے دیہات والوں کا سرمایہ چوپایوں کی صورت میں ہونا۔

عرف قولی الفاظ سے ہوتا ہے۔ اسے کسی خاص مفہوم پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا

فی اصول الفقہ، مکتبۃ القدس ص ۲۵۲، اور ڈاکٹر مصطفیٰ الزحیلی کی اسباب اختلاف الفقہاء فی الأحکام الشرعیۃ، بغداد ص ۵۰۳۔

(۱) ان میں سے ابن عابدین اور صاحب المستصفیٰ ہیں اور جدید فضلاء میں سے ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، ڈاکٹر مصطفیٰ زحیلی اور عبدالوہاب خلاف ہیں۔

(۲) ان میں سے ابن امیر الحاج اور القرانی ہیں اور ابن الہمام ”التحریر“ میں کہتے ہیں کہ عرف عادت سے عام ہے۔

(۳) نثار العقول مرجع سابق۔

جاتا ہے، لہذا وہ خاص ہوتا ہے، اگر لوگوں کے ایک طبقہ کے درمیان بولا جائے تو وہ خاص ہوگا، جیسے حیاتیات کے ماہرین زمین میں جو کھدائیاں وغیرہ ڈائنامائٹ کے ذریعہ کرتے ہیں، انہیں وہ زلزالی (زلزلہ سے متعلق) ریسرچ کا نام دیتے ہیں، جبکہ زلزلہ کا ایک معروف لغوی مفہوم ہے جو اس کے علاوہ ہے۔

اور اگر تمام لوگوں کے درمیان معروف ہو تو اسے عام کہیں گے، جیسے لفظ ”دابہ“ کا اطلاق چوپایہ پر، حالانکہ لغت میں ”دابہ“ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو زمین پر رینگے۔ اس طرح لغوی عرف مجاز کے قبیل سے ہوتے ہیں، یعنی تجاوز کر کے جن کو دوسرے لفظ کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے اور کوئی ایسا قرینہ ہوتا ہے جو اصل کو مراد لینے سے مانع ہوتا ہے۔

تمام قسم کے مجازات کبھی حقیقت بھی بن جاتے ہیں۔ اس کی دو شرطیں ہیں:

۱- جیسے ہی بولا جائے وہی معنی میں ذہن میں آئے۔

۲- اس کی نفی نہ کی جاسکے۔

لہذا بعض حقائق شرعی ہوتے ہیں اور بعض مخصوص عرفی جو مختلف خاص قسم کے اعراف میں بدل جاتے ہیں اور بعض اعراف عام ہوتے ہیں، جبکہ کبھی ان کا استعمال کرتے ہوں۔ مسلمان فقہاء نے عرف کے اعتبار اور اس پر عمل کرنے کے لئے کئی شرطیں عائد کی ہیں۔ ان میں سے چند اہم شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یہ ہے کہ عرف عام ہو یا غالب ہو۔ ”الاشباہ والنظائر“ میں کہا ہے: عادت اگر مستقل ہو یا غالب ہو تو اس کا اعتبار ہوگا اور اگر صرف مشہور ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا^(۱)۔

۲- یہ کہ بعض لوگوں کی رائے کے مطابق عرف عام ہو، کیونکہ بناء احکام کے لئے معتبر عرف کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ صرف عرف عام ہو یا مطلق عرف؟

(۱) الاشباہ والنظائر ج ۱ صفحہ ۱۲۸، البرکتی، القواعد الفقہیہ قاعدہ نمبر ۵۵۔

میرا کہنا یہ ہے اور اسی پر عمل بھی کیا جاتا ہے کہ ترک قیاس اور تخصیص قیاس میں عرف خاص کا اعتبار ہوگا، چنانچہ جب اہل بلخ کا یہ معمول ہو گیا کہ بننے والے کو بنے گئے کپڑے کا کچھ حصہ بطور اجرت دے دیتے تو چونکہ اس کی حرمت قفیز طحان (آٹا پیسنے والے کی ناپ) پر قیاس کرتے ہوئے قیاسی طور پر ثابت ہوتی تھی، جس کی صریح ممانعت نبی ﷺ سے منقول ہے، اس لئے یہاں قیاس کو عرف خاص کے ذریعہ خاص کر دیا گیا (۱)۔

۳- یہ کہ عرف مخالف شرع نہ ہو۔

۴- یہ کہ وہ عرف جس پر تصرف کو محمول کیا جائے، انشاء تصرف کے وقت موجود ہو، اس طرح کہ عرف وقت تصرف سے پہلے ہی سے موجود چلا آ رہا ہو اور اس وقت بھی ہو، تب موازنہ ہوگا، چاہے تصرف قولی ہو یا فعلی۔

صاحب ”الاشباہ“ کہتے ہیں (۲):

”وہ عرف جس پر الفاظ کو محمول کیا جائے گا وہ متوازی ہوگا جو پہلے سے موجود ہو (۳)، بعد میں وجود پذیر نہ ہوا ہو، اس لئے فقہاء کہتے ہیں کہ عرف طاری کا اعتبار نہیں۔“

شارع حکیم نے عرف صالح کا لحاظ کیا ہے، کیونکہ لوگ جس طریقہ کے عادی ہوں اور اس پر عمل پیرا ہوں اس سے ان کو نکالنے میں تنگی اور شدید مشقت ہوگی۔ انبیاء کرام کو سخت مشکلات اسی لئے پیش آتی ہیں کہ وہ لوگوں کو ان کے فاسد اعراف سے باہر نکالتے ہیں۔

اسلامی شریعت نے ان اعراف کا بھی لحاظ کیا جو دور جاہلیت میں رائج تھے۔ بعض صحیح

(۱) مشائخ بلخ من الحنفیہ از ذاکر محمد محروس المدرس ص ۲۔

(۲) الاشباہ جلد ۱، صفحہ ۱۳۳

(۳) اشباہ کے شارح حموی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یعنی بولنے کے وقت سے مقدم، حتیٰ کہ وہ اس وقت تک ثابت شدہ بن جائے اور جو عرف ابھی ابھی وجود پذیر ہوا ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ اس کے مطابق کسی سابق لفظ کی تاویل کی جائے گی۔“ ماخوذ محمد مصطفیٰ شلمی: المدخل فی التعریف بالفقہ الإسلامی، دار النہضة العربیہ ۱۹۶۹ء، ص ۲۶۴۔

اعراف کو باقی رکھا اور جو مخالف شریعت تھے، انہیں باطل قرار دیا، اس کی مثالیں بہت ہیں۔

مثلاً شریعت نے بیع، شرکت، وکالت، رہن اور اجارہ وغیرہ کو باقی رکھا۔

جبکہ بادشاہ اپنے لئے جو زمینیں خاص کرتے ہیں ان کو اور بیع المناذہ، بیع الملامتہ،

تلقی الركبان (سواروں سے پہلے ہی سامان حاصل کر لینے کی کوشش)، بیع الحاضر للبادی (شہری کا

دیہاتی سے دیہات ہی کے نرخ پر بیع کرنا) وغیرہ کو ممنوع قرار دیا۔

تیسری بحث: کفایت کی غرض و غایت:

کفایت کی شرط کے اعتبار کرنے نہ کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

بعض ائمہ احناف بشمول امام کرخی اور تابعین میں سے امام حسن بصری اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

کرخی کہتے ہیں: میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ نکاح میں کفایت کا اعتبار ہی نہ کیا جائے، کیونکہ

جو چیز نکاح سے بھی زیادہ اہم ہے، مثلاً دیت وغیرہ کے مسائل، ان میں کفایت معتبر نہیں، لہذا

زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ نکاح میں بھی اس کا اعتبار نہ ہو^(۱)۔

فقہاء حنفیہ میں سے بیشتر اس کا اعتبار کرتے ہیں اور اس کا سبب ان کے نزدیک یہ ہے

کہ مصالح صحیح طور پر عموماً برابر کے لوگوں میں ہی انجام پاتے ہیں۔ نکاح ان ہی مصالح کے بہتر نظم

کی خاطر مشروع کیا گیا ہے۔ غیر مساوی لوگوں کے بیچ عموماً معاملات ٹھیک سے انجام نہیں

پاتے۔ شریف عورت کسی ذلیل کے بستر کی زینت نہیں بننا چاہتی۔ وہ اس میں عار محسوس کرتی

ہے۔ اور اس لئے بھی کہ نکاح سسرالی رشتوں کے قیام کے لئے مشروع کیا گیا ہے، جس سے دور

کا قریبی نزدیک اور مددگار بن جائے۔ آپ کی خوشی اس کی خوشی ہو اور ایسا موافقت اور باہمی

قربت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ قربت نسب کی دوری سے پیدا نہیں ہوگی۔ اسی طرح غلامی یا

(غلام ہو کر) آزاد ہونے وغیرہ سے بھی نہیں ہوگی، اس لئے غیر کفو سے نکاح کرنا ایسا عقد ہوگا

(۱) المبسوط للسرخسی جلد ۵، البدائع ۲/۳۱۷۔

جو اپنے مقاصد سے دور ہوگا۔ حنفیہ، حسن کی روایت میں جو فتویٰ کے لئے زیادہ پسندیدہ ہے اور نخعی، ابن بشیر، ابن فرحون، ابن سلمون (مالکیہ میں سے) اس طرف گئے ہیں کہ کفایت صحت نکاح کے لئے شرط ہے^(۱)۔ یہی امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ جب کفایت قتال میں مطلوب ہے، تو نکاح میں تو بدرجہ اولیٰ مطلوب ہوگی، کیونکہ نکاح تو عمر بھر کے لئے کیا جاتا ہے، جو معاشرت، الفت و محبت، حسن سلوک اور نئے رشتے بنانے جیسے اغراض و مقاصد پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ مقاصد ایک دوسرے کے ہم سر اور برابر کے لوگوں میں بہتر طریقہ پر حاصل ہو سکتے ہیں، پھر یہ کہ عورت کے کسی کی مملوک ہونے میں اس کے لئے ایک طرح کی ذلت پائی جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے خود اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: ”النکاح رق، فلینظر أحدکم أین یضع کریمتہ“ (نکاح ایک طرح کی غلامی ہے، لہذا تم میں کا ایک شخص غور کر لے کہ وہ اپنی شریف زادی کو کس کے حوالہ کر رہا ہے)۔ نفس کو ذلیل کرنا حرام ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”لیس للمؤمن أن یذل نفسه“ (مؤمن کے لئے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے) جس ذلت کی اجازت ہے، وہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور ایسے شخص کے بستر کی زینت بننا جو اس کے ہم سر نہ ہو، زیادہ بڑی ذلت ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں، اسی لئے کفایت کا اعتبار کیا گیا ہے^(۲)۔

علماء نے کہا ہے: کفایت ازدواجی تعلق کو برقرار رکھنے کے لئے معتبر قرار دی گئی ہے، کیونکہ عورت طبعی طور پر اپنے سے کم تر کا بستر بننے پر عار محسوس کرتی ہے۔ بستر کے کم رتبہ ہونے سے اسے تنفر ہوتا ہے اور اسے اور اس کے اولیاء کو عار لاحق ہوتی ہے، اسی طرح شوہر عورت سے کم درجہ کا ہو تو بھی اسے عار لاحق ہوگی، پھر جو اولاد ہوگی وہ باپ کی طرف ہی منسوب ہوگی^(۳)۔

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية۔

(۲) المبسوط للسرخسی جلد ۵۔

(۳) دیکھئے: الہدایۃ شرح البدایۃ جلد ۱ صفحہ ۲۰۰، صاحب البحر الرائق شرح کنز الدقائق لکھتے ہیں: ان

چوتھی بحث: کفایت کے اعتبار کا دائرہ:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کفایت کن امور میں ہوگی۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ مندرجہ ذیل چھ امور میں معتبر ہوگی:

نسب، اسلام، آزادی، مال، دینداری، پیشہ۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اس کا اعتبار نسب، عیوب سے خالی ہونے، دینداری، نیکی،

پیشہ اور آزادی میں ہوگا^(۱)۔ ان کے ہاں مال یا خوش حالی میں کفایت کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

جہاں تک حنابلہ کی بات ہے تو اس سلسلہ میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں، ایک تو امام

شافعی کے مسلک کے مطابق ہے، عیوب سے خالی ہونے کی شق کو چھوڑ کر، اور دوسری روایت میں

کفایت کا اعتبار تقویٰ اور نسب میں کیا گیا ہے، باقی میں اختلاف ہے۔

امام مالک کے یہاں نسب، پیشہ، مال یا خوش حالی میں کفایت کا اعتبار نہیں ہے۔ ان

کے نزدیک صرف تدین، تقویٰ اور عیوب سے خالی ہونے میں اس کا اعتبار ہے اور آزادی کے

بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک میں اس کا اعتبار کیا گیا ہے، دوسری میں نہیں کیا گیا ہے۔

کفایت کے امور میں ائمہ مذاہب ہی کے درمیان نہیں بلکہ ایک ہی مذہب کے ائمہ

کے مابین اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ کفایت کا مسئلہ اضافی اور مختلف فیہ ہے اور اس میں

المصالح لا تنتظم إلا بین المتکافین عادة، ولأن الشریفة تأبی أن تكون مستفرثة

للخسیس، بخلاف زوجها، لأن الزوج مستفرش فلا یغیظه دناءة الفراش“ (مصالح عموماً

برابر درجہ کے لوگوں کے درمیان بہتر طور پر انجام پاتے ہیں۔ اس کی ضرورت یوں بھی ہے کہ ایک شریف

زادی کسی کمتر کا فراش (بستر) نہیں بننا چاہے گی۔ اس کے شوہر کا معاملہ اس کے برخلاف ہے، کیونکہ شوہر

فراش (بستر) نہیں بلکہ مستفرش (بستر سے فائدہ اٹھانے والا) ہے، لہذا فراش کے کم رتبہ ہونے سے اسے

تغفر نہیں ہوگا) عرب ملکوں کے پرسنل لا میں سے متعدد نے کفایت کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ شام اور اردن

کے قوانین میں اس کی صراحت ہے۔ اس بارے میں ان کے قوانین زیادہ تر حنفی فقہ سے متاثر ہیں۔

(۱) مغنی المحتاج ۳/۱۶۶، ملاحظہ ہو: محاضرات فی عقد النکاح، محمد ابوزہرہ ۱۹۰ تا ۱۹۱۔

زمان و مکان کے اثرات کا دخل ہے۔

پھر یہ کہ امور کفایت کی تحدید اس طرح نہیں ہوئی جیسے آیت زکاۃ میں مصارف زکاۃ کی تحدید کر دی گئی ہے۔ اسی وجہ سے ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا، اس سلسلہ میں جن امور کی بھی تحدید کی گئی ہے، وہ عرف پر مبنی ہیں۔ اس لئے زمان و مکان کے فرق سے کفایت کے احکام میں اختلاف ہو گیا۔ بعض فقہاء نے اس حقیقت کی طرف معروضی طور پر اشارہ بھی کر دیا ہے، ”البدائع“ کے مصنف نے لکھا ہے: ”فلا یكون الفقير كفاً للغنية؛ لأن التفاخر بالمال أكثر من التفاخر بغيره عادةً وخصوصاً في زماننا هذا“ (چنانچہ غریب آدمی مال دار عورت کا کفو نہیں ہوگا، کیونکہ عموماً مال کی بنا پر تفاخر دیگر چیزوں کی وجہ سے تفاخر کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں) تو ان کے قول ”خصوصاً فی زماننا هذا“ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے عرف پر اس حکم کو قیاس کیا ہے۔

پیشہ میں کفایت پر گفتگو کی مناسبت سے انہوں نے امام ابوحنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بھی عرف پر مبنی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں: رہا پیشہ تو کرخی نے ذکر کیا ہے کہ پیشوں اور صناعتوں میں کفایت امام ابو یوسف کے نزدیک معتبر ہے، اسی لئے پارچہ باف سونے کے تاجر اور سنار کا کفو نہیں ہوگا، اسی طرح ذکر کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس سلسلہ میں عربوں کے اس دستور کو بنیاد بنایا کہ ان کے غلام یہ کام کرتے تھے، لیکن بطور پیشہ نہیں، اسی لئے انہیں ان میں عار محسوس نہیں ہوتی تھی، اور امام ابو یوسف نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے عرف کو دیکھ کر فتویٰ دیا کہ وہ ان کاموں کو پیشہ بناتے تھے اور کم تر درجہ کے کاموں سے عار محسوس کرتے تھے، اسی لئے حقیقتاً ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح قاضی نے اپنی شرح ”مختصر الطحاوی“ میں ذکر کیا ہے کہ پیشہ میں کفایت کا اعتبار ہوگا^(۱)۔ مذکورہ نص میں واضح اشارہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس سلسلہ میں عربوں کے عرف پر

(۱) بدائع الصنائع جلد ۲۔

قیاس کیا، تو اگر زمانہ بدل جائے تو حکم بدلا جاسکتا ہے، اور یہ قاعدہ معروف ہے: ”لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الأزمان“ (زمانہ کے تغیر سے احکام میں تغیر کا انکار نہیں کیا جاسکتا)۔ حقیقت میں زمانہ نہیں بدلتا، اہل زمانہ بدلتے ہیں، اور نتیجہ ان کا عمل بدلتا ہے۔

اسی طرح ہم نے دیکھا کہ امام ابو یوسف نے حکم کی بنیاد اہل ملک کے عرف پر رکھی ہے۔ ابن الہمام ”الفتح“ میں کہتے ہیں: ”فاذا ثبت اعتبار الكفاءة بما قدمنا - أي بالأدلة المذكورة سابقاً - فيمكن ثبوت تفصيلها بعرف الناس فيما يحقرونه ويعيرون به، فيستأنس بالحديث الضعيف في ذلك“^(۱) (جب مذکور الصدر دلائل سے کفایت کا معتبر ہونا ثابت ہو گیا تو اس کی تفصیلات لوگوں کے اس عرف کو دیکھ کر کہ وہ کن چیزوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور کن چیزوں سے انہیں عار لاحق ہوتی ہے، ثابت کی جاسکتی ہیں، اور اس سلسلے میں ضعیف حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے)۔ انہوں نے مزید کہا کہ پیشہ کے اچھے اور ٹھنڈا ہونے میں اعتبار ہر زمانہ اور ہر جگہ کے عرف کا ہوگا۔ پیشوں کے ایک دوسرے سے قریب یا ایک دوسرے سے دور ہونے کا مدار عرف پر ہوگا۔

کفایت کے عرفی ہونے ہی کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء کے درمیان متعدد چیزوں میں اختلاف ہوا ہے مثلاً:

۱- آدمی کی دینداری کے بارے میں:

امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اس کا اعتبار ہوگا، ہاں اگر فاسق آدمی بھی بارعب اور لوگوں میں شوکت والا ہو تو ایسی صورت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا، امام ابو حنیفہ اس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے، کیونکہ فسق ختم ہو سکتا ہے۔

یہی بات امام ابو یوسف بھی کہتے ہیں، اِلا یہ کہ فاسق لوگوں میں علانیہ فسق کا اظہار کرتا ہو، تو ایسا آدمی صالح لڑکی کا کفو نہیں ہو سکتا^(۲)۔

(۱) الفتح جلد ۲ صفحہ ۲۱۸۔

(۲) السرخسی فی المبسوط، نیز دیکھئے: ابو زہرہ حوالہ سابق۔

اس کا امام ابو یوسف اور امام محمد نے اعتبار کیا ہے، لیکن امام ابو حنیفہ نے نہیں کیا، امام ابو یوسف سے بھی امام ابو حنیفہ کی طرح کا قول منسوب ہے، الا یہ کہ پیشہ بہت ہی گھٹیا درجہ کا ہو مثلاً نائی، چمڑا درست کرنے والا اور سائیس۔

کفالت فی المال کے مفہوم کے سلسلہ میں مختلف روایات ہیں: بعض لوگوں نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ مہر دینے کی قدرت ہو اور بعض نے نان و نفقہ کی قدرت مراد لی ہے^(۱)۔

امام محمد سے یہ مروی ہے کہ وہ اس کا اعتبار کرتے ہیں حتیٰ کہ جوشہ گرتا ہو اور بچے اس کا مذاق اڑاتے ہوں، وہ کسی شریف گھرانہ کی لڑکی کا کفو نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ظالموں اور جابروں کے مددگار اور ساتھی، ان میں سے جس کا استخفاف کیا جاتا ہو، وہ بھی کسی شریف گھرانہ کی لڑکی کا کفو نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ لوگوں میں بارعب اور ہیبت والا ہو۔

اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ انہوں نے نشہ آور چیز کا استعمال کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ اسے چھپ کر استعمال کرتا ہو اور نشہ کی حالت میں باہر نہ نکلتا ہو تو وہ کفو ہوگا اور اگر اس کو علی الاعلان کرتا ہو تو وہ شریف گھرانہ کی لڑکی کا کفو نہیں ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ سے اس سلسلہ میں کچھ بھی مروی نہیں، ان سے صحیح روایت یہ ہے کہ اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ کوئی ایسی ضروری چیز نہیں جسے چھوڑا نہ جاسکتا ہو^(۲)۔ مذکورہ اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ احکام کفالت کی بنیاد ان حضرات کے زمانہ میں رائج عرف پر تھی، چنانچہ ابو یوسف ظالموں کے حمایتیوں کو نیک عورت کا کفو نہیں مانتے اگر ان کو ذیل سمجھا جاتا ہو لیکن اگر

(۱) ابو زہرہ ۱۸۸۔

(۲) المسوط للسنن جلد ۵، البحر الرائق ۴/۱۳۳۔

وہ لوگوں میں مرتبہ رکھتے ہوں تو پھر کفو ہوں گے، یعنی انہوں نے مسئلہ کی بنیاد اس پر رکھی کہ لوگ کیا سمجھتے ہیں!!

ہم اس اختلافی مسئلہ میں مختلف رایوں کو ذکر کر کے اسے طول دینا نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ جب ایک ہی مسلک کے قریب قریب زمانہ کے ائمہ کے مابین اس مسئلہ میں اتنا اختلاف ہو گیا تو زمان و مکان کی دوری کے بعد کتنا ہو سکتا ہے، یہ آپ سمجھ سکتے ہیں؟ اسی بات کو شیخ ابو زہرہ زور دے کر بیان کرتے ہیں، کیونکہ وہ کفایت کو ان مسائل میں شمار کرتے ہیں جو عرف کے تابع ہیں، اس لئے کہ ازدواجی زندگی کی بقاء کا تقاضا ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کے خاندانوں میں لازماً تقارب پایا جائے۔

پانچویں بحث: عرف اور عصر حاضر میں اس کا اثر:

اسلامی شریعت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ احوال و ظروف کی تبدیلی کا شرعی اور اجتہادی احکام پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ عدل قائم ہو، مصالح کا حصول ہو، مفسد کو ختم کیا جائے، اسی لئے بہت سے ایسے احکام ملتے ہیں جن میں لوگوں کے احوال و ظروف اور مصالح کی تبدیلی سے احکام بدل جاتے ہیں، تو اگر شارع کوئی ایسا حکم نافذ کرتا جو ناقابل تبدیل ہوتا تو اس سے لوگوں کو تنگی اور حرج پیش آتا اور یہ اسلام کے مقاصد کے خلاف ہوتا جس نے شریعت کے احکام کی بنیاد بندوں کی مصلحتوں پر رکھی ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شارع نے مطلقاً احکام دے دئے ہیں اور ان کی تفصیل اور جزئیات کی توضیح نہیں کی، تاکہ ان کی تطبیق احوال و ظروف کے لحاظ سے کی جاسکے جو فطری طور پر بدلتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے فقہ اسلامی ہر زمان و مکان کے لئے ہے، لیکن اگر احکام اجتہاد کے قابل نہ ہو سکتے تو یہ بات نہیں کہی جاسکتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء متاخرین نے مختلف فقہی مسالک کے بہت سے مسائل میں اپنے

ائمہ مذاہب اور فقہاء متقدمین کے فتوؤں کے خلاف فتوے دیئے ہیں اور یہ صراحت کر دی ہے کہ اختلاف کا سبب فقط اختلاف زمان ہے، لہذا وہ فی الواقع متقدمین کے مخالف نہیں ہوتے بلکہ بات یہ ہے کہ اگر متقدمین فقہاء متاخرین کے زمانہ میں ہوتے اور عرف و طبائع اور ضرورتوں کا اختلاف دیکھتے، بلکہ وسائل کا اختلاف بھی، تو وہ بھی وہی بات کہتے جو متاخرین نے کہی (۱)۔

فقہاء حنفیہ عرف کے بارے میں دوسرے مذاہب سے زیادہ توسع سے کام لیتے ہیں۔ ابن عابدین نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ”نشر العرف فی بناء بعض الأحكام علی العرف“ اور ان حضرات نے متقدمین کے فروع سے اخذ کر کے متعدد قواعد وضع کئے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہیں کہ جن احکام کے سلسلے میں کوئی اجماع یا نص نہ ہو ان میں عرف کا اعتبار ہوگا۔ ہم ذیل میں ان قواعد کا ذکر کرتے ہیں:

۱- العادة محكمة (رواج فیصلہ کن ہوگا) (۲)۔

۲- الحقيقة بترک بدلالة العادة (رواج کے پیش نظر حقیقی معنی ترک کر دیا جائے گا) (۳)۔

۳- استعمال الناس حجة يجب العمل بها (۴) (لوگوں کا استعمال حجت سمجھا جائے گا۔ اس پر عمل ضروری ہوگا)۔

۴- المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً (۵) (جو عرف میں مشہور ہو وہ مشروط کی طرح سمجھا جائے گا)۔

(۱) ملاحظہ ہو: رسالہ نشر العرف لابن عابدین، جو ان کے مجموعہ رسائل میں شامل ہے۔

(۲) دیکھئے: مجلۃ الاحکام العدلیہ کی دفعہ ۴۰، برکتی نے اپنی القواعد الفقہیہ میں اسے بیان کیا ہے، قاعدہ نمبر

(۳) حوالہ سابق دفعہ ۴۰۔

(۴) حوالہ سابق دفعہ ۳۷۔

(۵) مجلۃ الاحکام کی دفعہ ۴۳، البرکتی۔ قاعدہ ۳۳۳۔

۵- التعین بالعرف کالتعین بالنص^(۱) (عرف سے تعین نص سے تعین کی طرح ہے)۔

۶- لاینکر تغیر الأحکام بتغیر الأزمان^(۲) (زمانہ کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی کوئی معیوب بات نہیں)۔

۷- العادة تجعل حکماً إذا لم يوجد التصريح بخلافه^(۳) (رواج کو حکم قرار دیا جائے گا بشرطیکہ اس کے خلاف صراحت نہ پائی جائے)۔

۸- العادة معتبرة في تقييد مطلق الكلام^(۴) (مطلق کلام کو مقید کرنے میں رواج معتبر ہوگا)۔

۹- المعروف بين التجار كالمشروط بينهم^(۵) (تاجروں کے درمیان جاری عرف کو مشروط کی طرح سمجھا جائے گا)۔

۱۰- الثابت بالعرف كالثابت بالنص^(۶) (عرف سے جو چیز ثابت ہو وہ نص سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہے)۔

ابن عابدین عرف سے متعلق اپنے رسالہ میں کہتے ہیں: مفتی پر لازم ہے کہ وہ ظاہر الروایہ کی کتابوں میں منقول مسئلوں پر جمود نہ برتے کہ اپنے زمانہ اور اہل زمانہ کی رعایت نہ کرے اور یہ کہ بہت سے حقوق ضائع نہ کرے اور نہ اس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہو^(۷)۔

(۱) دفعہ ۴۵، مجلۃ الاحکام العدلیہ کی دفعہ ۴۵ البرکتی القاعدہ ۸۸۔

(۲) دفعہ ۳۹۔

(۳) البرکتی۔ قاعدہ ۱۲۵۔

(۴) البرکتی۔ قاعدہ ۱۲۷۔

(۵) البرکتی۔ قاعدہ ۱۳۵۔

(۶) البرکتی۔ قاعدہ ۱۰۱۔

(۷) نشر العرف۔ مجموعۃ رسائل ابن عابدین، جلد ۲، رسالہ ۳۱۔

اسی لئے متاخرین نے امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے کئی مسائل میں تغیر احوال کو بنیاد بنا کر اختلاف کیا، مثلاً انہوں نے تعلیم قرآن، اذان اور امامت وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ امام صاحب اور صاحبین کی رائے اس کے خلاف ہے۔

اسی طرح یہ مسئلہ کہ امام ابوحنیفہ نے حدود و قصاص کو چھوڑ کر دیگر مسائل میں گواہوں کے بارے میں صرف ظاہری طور پر عادل ہونے کو کافی سمجھا اور ان کی تصدیق کو ضروری نہیں قرار دیا، دلیل رسول اللہ ﷺ کی ارشاد تھا: "المسلمون عدول بعضهم على البعض" (مسلمان باہم راست باز ہیں)۔ یہ اجتہاد امام صاحب کے زمانہ کے لئے تو مناسب تھا، کیونکہ اس وقت خیر کا غلبہ تھا، لیکن جب امام ابو یوسف اور امام محمد کا زمانہ آیا اور جھوٹ عام ہو گیا تو ظاہر عدالت کو کافی سمجھنے میں مفسدہ تھا اور حقوق کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا، اس لئے فساد زمانہ کے سبب انہوں نے کہا کہ تمام گواہوں کی تصدیق کرائی جائے گی تاکہ مفسدہ کو دور کیا جاسکے، اس لئے فقہاء اس اختلاف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ یہ دور اور زمانہ کا اختلاف ہے اور انہوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے (۱)۔

اسی بنیاد پر علماء نے عرف کو اصول استنباط میں سے ایک اصل سمجھا ہے۔ جن مسائل میں نص نہیں اور نہ وہ اجماعی ہیں، ان میں عرف کے ذریعہ حکم لگایا جاتا ہے، کیونکہ لوگ اپنے مصالح اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جس عرف پر چلتے ہوں اس کا لحاظ رکھنا واجب ہے، بشرطیکہ وہ مخالف شرع نہ ہو۔ شارع نے تشریح کے سلسلہ میں عربوں کے صحیح اعراف کا لحاظ رکھا ہے (۲)۔ لیکن جو کمزور اعراف تھے انہیں باطل قرار دیا۔ اسی طریقہ پر اب بھی عرف پر احکام جاری ہوں گے، جیسا کہ اس سے پہلے اس کی تفصیل اس کی شرائط کے ضمن میں گذری۔

(۱) العرف والعادة فی رأى الفقہاء لا حمد فیہ ابو سنہ ص ۸۸، ابو سنہ نے ان کے علاوہ اور مثالیں بھی اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں اور شیخ مطہری زرقاء نے بھی کئی مثالیں اپنی کتاب المدخل الفقہی العام یعنی الفقہ الاسلامی فی ثوبہ المجدید میں ذکر کی ہیں، ص ۹۲۶-۹۲۹۔

(۲) علم اصول الفقہ لعبد الوہاب خلاف ۹۰۔

میری رائے یہ ہے کہ کفایت ان امور میں سے ہے جن کا عرف پر بہت انحصار ہے، چنانچہ شیخ احمد فہمی ابوسنہ کی رائے ہے کہ کفایت بھی عربوں کے ان قدیم اعراف میں سے ہے جنہیں اسلام نے برقرار رکھا ہے (۱)۔

اور چونکہ ہمارے زمانے میں اعراف کافی حد تک بدل چکے ہیں اور فقہاء متقدمین کے زمانہ کی حالت باقی نہیں رہی، اسی لئے اب پھر سے امور کفایت پر غور و فکر کرنا ضروری ہے، بلکہ ان امور کے معانی پر بھی غور کرنا چاہئے تاکہ ازدواجی تعلقات کے استحکام اور ان کی بقاء سے متعلق شارع کے مقصد کو ہم بروئے کار لاسکیں۔

آج عورت یونیورسٹیوں اور مختلف قسم کے کالجز میں پڑھ رہی ہے اور مختلف میدانوں میں کام کر رہی ہے، مثلاً ڈاکٹری، انجینئرنگ، ٹیچنگ وغیرہ، اور ان میں ملازمت کے ذریعہ وہ اپنی روزی کما رہی ہے۔

مغربی ملکوں میں ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کے باعث بہت سے تصورات بدل چکے ہیں۔ اس ترقی میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ اب وہاں ان پڑھ اسے کہا جاتا ہے جو کمپیوٹر کو آپریٹ نہ کر سکتا ہو، جبکہ تیسری دنیا اور ترقی پذیر ملکوں میں ان پڑھ ہونے کا وہی پرانا اور روایتی تصور رائج ہے، یعنی پڑھنا لکھنا نہ جانا! یورپ، امریکہ اور جاپان وغیرہ بہت سے ملکوں میں زندگی آج جدید ترین آلات اور ترقی یافتہ تکنیک پر چلتی ہے، جبکہ غریب ملکوں میں آج بھی روایتی وسائل پر تکیہ کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: کیا اس کی روشنی میں کفایت کے تصور میں تبدیلی نہیں آنی چاہئے؟! پیشہ کے سلسلہ میں باپ کے پیشہ کو دیکھا جاتا تھا، کیونکہ کام عموماً باپ ہی کرتا تھا اور عورتیں گذشتہ زمانوں میں بہت کم کام کرتی تھیں۔ ہمارے فقہاء نے پیشہ کی شرط کے سلسلہ میں

(۱) ابوسنہ، حوالہ سابق، ۲۷، خلاف، حوالہ سابق۔

یہی ذکر کیا تھا، مثلاً امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ پیشہ کا اعتبار کیا جائے گا، یہاں تک کہ دباغت دینے والا، نائی، جولاہا اور بھشتی، کپڑا فروش اور عطار کی بیٹی کے کفو نہیں ہوں گے، یعنی امام ابو یوسف نے اس سلسلہ میں رواج کا اعتبار کیا (۱)۔

علم کے سلسلہ میں فقہاء متقدمین نے باپ کی علمیت کا اعتبار کیا ہے، اس لئے ان کا کہنا ہے کہ عالم کی بیٹی کے برابر کوئی نہیں، کیونکہ علم کی عزت مال اور نسب کی عزت سے بالاتر ہے (۲)۔

اس کو بنیاد بنا کر کیا موجود زمانہ میں امور کفایت کے تصور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی؟ کیا ہم اب بھی باپ کے پیشہ کو دیکھیں گے جبکہ عورت مختلف میدانوں میں کام کر رہی ہے؟ کیا ہم لڑکی کی قابلیت سے صرف نظر کر کے باپ کی علمیت کو ہی دیکھیں گے!

کفایت کے احکام کی بنیاد زیادہ تر سماجوں کے رواج پر ہے، یہی فقہاء کا کہنا ہے اور اسی کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے (۳)، لہذا وہ عورت جو برطانیہ میں پلی بڑھی اور اس نے وہیں تعلیم پائی، اس کی نشوونما مختلف احوال و ظروف میں ہوئی جو ہندوستان بلکہ سارے مشرقی ملکوں کے احوال سے مختلف ہیں۔ امور کفایت میں جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، اختلاف بلاد اور اختلاف تعلیم کا ذکر بھی مناسب ہے!

اس کے ساتھ ہی یہ اضافہ بھی کیجئے کہ برطانوی سماج جیسے دوسرے معاشرہ میں عورتیں بالعموم تعلیم یافتہ ہوتی ہیں۔ اور جدید موصلاتی ذرائع کا استعمال جانتی ہیں اور ترقی یافتہ سائنٹیفک آلات سے واقف ہوتی ہیں جبکہ وہ مرد جو ہندوستان اور اس جیسے ملکوں میں پروان چڑھا ہوا اگر اس کی شادی کسی برطانوی لڑکی سے کر دی گی جائے تو یہ شوہر لڑکی کے مقابلہ میں کم تر ہوگا اور

(۱) المبسوط السرخسی جلد ۵۔

(۲) الدر المختار ۳/۹۰، ۹۲۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسے الہی ازی نے بھی ذکر کیا ہے اور کمال نے پسند کیا

ہے۔

(۳) دیکھئے: صفحات ۱۰، ۹۔

اپنے جہل اور ماحول کے اختلاف کی بنا پر دوسروں کے تمسخر کا نشانہ بھی بنے گا اور اس کے درمیان اور اس کی بیوی کے درمیان بڑا فرق ہوگا اور اگر لڑکی ایسا نہ کرے گی تو سماج تو ضرور اسے نیچی نگاہ سے دیکھے گا، جس سے وہ اپنی بیوی کی نگاہ میں کم تر ہوگا، اور یہ اس کے لئے نقصان دہ ہے۔ اس سے معاشرت ٹوٹے گی۔ ازدواجی زندگی میں استحکام ختم ہو جائے گا اور زوجین کے درمیان مودت اور رحمت جو اللہ کو مطلوب ہے وہ ختم ہو جائے گی!

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے فقہاء نے باپ اور شوہر کے پیشہ میں تشابہ اور تقارب کی شرط سے یہ چاہا ہوگا کہ عورت کو یکساں ماحول ملے، باپ کے گھر میں اور شوہر کے گھر میں۔ اسی طرح جہاں انہوں نے شوہر کی خوش حالی کی شرط لگائی ہے وہاں بھی اس سے مقصود یہی ہوگا کہ یہ شوہر بیوی کو ایسا ہی ماحول فراہم کرے جیسے میں وہ پلی بڑھی ہے۔

اور یہیں سے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ہمارے فقہاء نے اختلاف ماحول نہ ہونے کو کفو کے امور میں سے کیوں نہیں قرار دیا؟ حتیٰ کہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دیہاتی شہری کا کفو ہوگا^(۱) تو موجودہ دور میں وہ ملکوں کے اختلاف کو فقدان کفو کے اسباب میں سے کیسے شمار کرتے ہیں!؟

ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کا اعتبار کرتے ہیں، جب دونوں ملکوں کے احوال میں بہت زیادہ فرق ہوگا، مثلاً ہندوستان اور برطانیہ کا اختلاف، ایک تو سائنٹیفک اور ٹیکنالوجیکل ترقی کی وجہ سے اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ برطانیہ کی روایات اور احوال اسلامی اور مشرقی ملکوں کے احوال سے عموماً مختلف ہیں۔

لیکن اگر یہ صورت ہو کہ دونوں ملک احوال و ظروف، معاشی معیار، تعلیم کے فروغ اور حاصل کئے جانے والے علوم کی نوعیت میں ایک دوسرے سے قریب ہوں تو اس اختلاف مکان کو

(۱) دیکھئے: شرح فتح القدر للسیوطی جلد ۳ ص ۲۹۸۔

اختلاف کفالت کے اسباب میں سے نہیں مانا جائے گا، جیسا کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی حالت ہے۔

جو اختلاف ہمارے فقہاء نے ذکر کیا ہے وہ ان کے زمانہ کی رائج صورت حال کی ترجمانی کرتا ہے، جہاں شہر اور گاؤں میں کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہوتا تھا، پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ انہوں نے گاؤں اور شہر پر دارالاسلام کے ضمن میں گفتگو کی ہے، دارالکفر اور دارالاسلام کے اختلاف کے بارے میں انہوں نے گفتگو نہیں کی ہے۔

نتائج بحث:

چونکہ کفالت کا موضوع ان موضوعات میں سے ہے، جن کا زیادہ تر مہار و مدار عرف پر ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور احکام پر عرف کے اثر کا ذکر کیا اور یہ کہ بہت سے احکام اعراف کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں، اس لئے وہ عورت جو مغربی ملک میں پیدا ہوئی اور وہیں رہی، تیسری دنیا کا آدمی اس کا کفو نہیں ہوگا۔

کیونکہ کفالت میں جس چیز کا ہے وہ اعتبار لڑکی اور اس کے کنبہ سے عار اور حرج کو دفع کرنا ہے تاکہ اس ملک کے عرف کی وجہ سے جہاں وہ رہ رہی ہے، اسے عار نہ دلائی جائے اور اس آدمی سے شادی کے باعث اس کی تحقیر نہ ہو، کیونکہ کفالت لڑکی ہی کے لئے مشروع کی گئی ہے، تو اگر اس آدمی سے شادی اس کے سماج کے مطابق اس کے لئے عار کا باعث بنے اور شوہر دوسروں کے تمسخر کا نشانہ بن جائے، تو وہ اس کا کفو نہیں ہوگا۔

امور کفالت کے اختیار کرنے کی بعض صورتوں کے جواز کے لئے امام محمد کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے: "لا تعتبر الديانة، لأنها من أمور الآخرة فلا تبني أحكام الدنيا عليه إلا إذا كان يصفع، ويسخر منه، أو يخرج إلى الأسواق سكرانا، ويلعب به

الصبيان، لأنه مستخف به“^(۱) (دیانت کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ آخرت کے امور میں سے ہے، لہذا اس پر دنیا کے احکام کی بناء نہیں رکھی جائے گی الا یہ کہ اسے تھپڑ رسید کیا جاتا ہو اور اس کا مذاق اڑایا جاتا ہو یا وہ نشہ کی حالت میں بازاروں میں نکلتا ہو اور بچے اس سے کھیلتے ہوں، کیونکہ ان صورتوں میں اس کا استخفاف کیا جاتا ہے)۔ یہ قول اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ امام محمد دینداری کو امور کفایت میں سے اس لئے شمار نہیں کرتے کہ وہ آخرت کے امور میں سے ہے، ہاں کفایت معتبر ہوگی اگر شوہر دوسروں کے تمسخر کا نشانہ بن جائے۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کفایت کی غرض و غایت ازدواجی تعلق کی پائیداری و استواری ہے اور ایسے خاندان کی تشکیل ہے جو مودت و رحمت پر مبنی ہو، اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو شارع کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ومن آیاتہ أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إليها وجعل بینکم مودة ورحمة إن فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون“^(۲)۔

اور احکام اگرچہ علتوں سے مربوط ہوتے ہیں لیکن ان کی اصل حکمتیں ہیں، جن کے عدم انضباط کی وجہ سے اور علتوں کے انضباط کے باعث شارع نے حکمتوں سے عدول کر لیا ہے، لیکن اس باب میں حکمتیں بھی علتوں ہی کی طرح ہیں۔

(۱) البحر الرائق ۱۳۱۳۔ اسی مفہوم میں البدایہ شرح البدایہ کے مؤلف نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

(۲) سورہ روم ۲۱۔

جبری شادی

مفتی محمد صدر عالم قاسمی

ادارہ محکمہ شرعیہ، بدر بنہ، نہرا، در بھنگ

۱، ۲ - چونکہ معاملہ نکاح میں اِکراه مؤثر نہیں ہے، اس لئے لڑکی کے اپنی زبان سے الفاظ قبولیت ادا کر دینے کے بعد خواہ جبراً ہی کیوں نہ ہو، اسے رضا تسلیم کیا جائے گا، اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

”التصرفات الشرعية في الأصل نوعان: إنشاء و اقرار والإنشاء نوعان: نوع لا يحتمل الفسخ ونوع يحتمله، أما الذي لا يحتمل الفسخ: الطلاق والعتاق والرجعة والنكاح واليمين والنذر والظهار والإيلاء والفيء في الإيلاء والتدبير والعفو عن القصاص، وهذه التصرفات جائزة مع الإكراه عندنا، وعند الشافعي رحمه الله لا تجوز“^(۱)۔

(تصرفات شرعیہ کی اصل میں دو قسمیں ہیں: انشاء اور اقرار، اور انشاء کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ایسی ہے جس میں فسخ کا احتمال نہیں ہوتا ہے، اور ایک قسم ایسی ہے جس میں فسخ کا احتمال ہوتا ہے۔ جن تصرفات میں فسخ کا احتمال نہیں وہ یہ ہیں: طلاق، عتاق، رجعت، نکاح، یمین، نذر

(۱) بدائع الصنائع ۶/ ۱۹۳۔

ظہار، ایلاء، فحی فی الایلاء، تدبیر، اور قصاص سے معافی۔ یہ تصرفات اِکراه کے باوجود ہمارے نزدیک جائز ہیں اور امام شافعی کے نزدیک ناجائز۔

۳، ۴۔ قبولیت نکاح کے بعد بصورت اِکراه ہی سہی اگر میاں بیوی کے درمیان زن و شوئی تعلقات قائم ہو جاتے ہیں تو چونکہ یہ اس کی رضا ہے اس لئے اس کا حق تفریق ختم ہو جائے گا اور اگر لڑکی الفاظ قبولیت کی ادائیگی بعد بھی پہلے ہی کی طرح انکار کرتی رہے، حتیٰ کہ زن و شوئی تعلقات تک کی نوبت نہ آئے تو یہ اس کی حقیقی عدم رضا کی دلیل ہے، اس کو حق تفریق حاصل ہوگا، چونکہ عاقلہ بالغہ اپنے معاملے میں صاحب اختیار ہوتی ہے اس لئے کسی کا جبر اس پر درست نہیں، لہذا اس کے باپ کی حیثیت اس معاملے میں باپ کی نہیں رہی بلکہ وہ دیگر اولیاء کے مثل ہو گیا اور صغیرہ کے سلسلے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر اس کا نکاح باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء نے غیر کفو میں کر دیا تو اس کو بعد بلوغ حق تفریق ملتا ہے، تو جب صغیرہ جس کو اپنے نفس پر کوئی اختیار نہیں تھا اس کو حق مل رہا ہے تو بالغہ کو تو اِکراه کی صورت میں بدرجہ اولیٰ یہ حق ملنا چاہئے، کیونکہ باپ نے اس کے شرعی اختیار کو پامال کیا ہے^(۱)۔

۵۔ اس صورت میں قاضی یا شرعی کونسل کو نکاح فسخ کر دینا چاہئے، کیونکہ یہ نکاح کے مقاصد اور مصالح کا تقاضا ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۶/۱۹۸۔

جبری شادی

مولانا خورشید انور اعظمی
جامعہ مظہر العلوم، وارانسی

اسلامی شریعت نے عاقلہ بالغہ خاتون کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی شادی از خود کر سکتی ہے۔ اگر کوئی ولی اس کی شادی کرتا ہے تو اس کے لئے لازم اور ضروری ہے کہ اس سلسلے میں اس خاتون سے اجازت حاصل کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں اس کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد نبوی ہے:

”الایم أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها وإذنها صماتها“^(۱) (ثیبہ اپنی ذات کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے۔ باکرہ سے اس کے بارے میں اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت اس کا سکوت ہے)۔
دوسری روایت میں ہے:

”الثیب أحق بنفسها من ولیها والبکر یستأذن بها أبوها فی نفسها وإذنها صماتها“^(۲) (ثیبہ اپنی شادی کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور باکرہ سے اس کے بارے میں اس کے والد اجازت لیں گے، اور اس کی اجازت اس کا سکوت ہے)۔

(۱) صحیح مسلم، ۱/۳۵۵۔

(۲) حوالہ سابق۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خنساء بنت خدام کا نکاح محض اس بنا پر فسخ فرمادیا تھا کہ ان کے والد نے ان کی مرضی کے برخلاف ان کا عقد کر دیا تھا^(۱)، نیز اسی طرح لی صورت حال میں آپ ﷺ نے ایک باکرہ لڑکی کو اپنے نکاح کے باقی رکھنے اور اس کے فسخ کرنے کا اختیار دیا^(۲)۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی عورت کو جبر و اکراہ کے ذریعہ نکاح کی اجازت دینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے دباؤ کو قبول کرتے ہوئے زبان سے اجازت دے دی تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا، اس وجہ سے کہ نکاح و طلاق انسانوں کے ان تصرفات میں سے ہیں جو اکراہ کے باوجود نافذ ہوا کرتے ہیں۔ ”نور الانوار“ میں ہے:

”فإن كان القول مما لا يفسخ ولا يتوقف على الرضا لم يبطل بالكره كالطلاق ونحوه من العتاق والنكاح..... فإن هذه التصرفات كلها لا تحتل الفسخ ولا تتوقف على الرضاء فلو أكره بها أحد وتكلم بها لم يبطل بالكره و تنفذ على المكره“^(۳) (اگر ایسا قول ہو کہ نہ فسخ ہوتا ہو اور نہ رضا پر موقوف ہوتا ہو تو وہ جبر و اکراہ سے باطل نہیں ہوگا جیسے طلاق، عتاق، نکاح وغیرہ، اس وجہ سے کہ یہ تمام تصرفات احتمال فسخ نہیں رکھتے اور نہ رضا پر موقوف ہوتے ہیں، لہذا اگر کسی کو ان چیزوں پر مجبور کیا گیا اور اس نے زبان سے انہیں کہہ دیا تو اکراہ کے سبب یہ باطل نہیں ہوں گے اور مکرہ پر نافذ ہو جائیں گے)۔

نبی اکرم ﷺ کے مبارک عہد میں بھی اس طرح کی مثالیں موجود ہیں کہ اکراہ کے باوصف آپ ﷺ نے یمین و طلاق کو صحیح اور نافذ مانا ہے، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان کی حدیث میں ہے کہ ”جب مشرکین نے انہیں گرفتار کیا اور یہ قسم لی کہ وہ غزوہ میں حضور ﷺ کا

(۱) صحیح بخاری ۷/۲۷۱۔

(۲) ابوداؤد ۲۸۵۔

(۳) نور الانوار ص ۳۱۶۔

ساتھ نہیں دیں گے تو انہوں نے دباؤ میں آ کر جبراً و قہراً قسم کھالی اور آ کر حضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا وعدہ پورا کرو، ہم ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے،^(۱) اس سے واضح ہوتا ہے کہ یمین طوعاً و کرہاً دونوں کا حکم یکساں ہوتا ہے۔ اس طرح حالت اکراہ میں دی گئی طلاق کے تعلق سے ”نصب الراية للزيلعي“ میں صفوان بن غزوان کی ایک روایت ہے:

”ان رجلا كان نائما فقامت امرأته فأخذت سكيناً فجلست على صدره فوضعت السكين على حلقه فقالت لتطلقني ثلاثاً أو لأذبحنك، فاشدها الله فأبى فطلقها ثلاثاً ثم أتى النبي ﷺ فذكر له ذلك فقال: لا قبولة في الطلاق“^(۲) (ایک آدمی سویا ہوا تھا کہ اس کی عورت اٹھی اور ایک چھری لے کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی اور اس کے حلق پر چھری رکھ کر بولی: یا تو مجھے تین طلاق دے دے یا پھر میں تمہیں ذبح کر دوں گی، آدمی نے اسے اللہ کا واسطہ دیا مگر اس نے ایک نہ سنی، بالآخر اس آدمی نے اسے تین طلاق دے دی پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: طلاق میں فسخ نہیں ہے۔)

نیز یہ پہلو بھی قابل غور اور نہایت اہم ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة“^(۳) (تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا قصد بھی قصد اور ہنسی مذاق بھی قصد ہوتا ہے، یہ نکاح، طلاق اور رجعت ہیں) اس سے یہ بات عیاں ہے کہ نکاح ہنسی مذاق کے طور پر بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہل علم کا طلاق ہازل کے واقع ہونے پر اتفاق ہے۔ ”مرقاة المفاتيح“ میں ہے:

(۱) الفقه الاسلامي وادلتہ ۳/۵۲، نصب الراية ۳/۲۲۳۔

(۲) نصب الراية ۳/۲۲۲۔

(۳) سنن ترمذی ۱/۱۳۲۔

”قال القاضي: اتفق أهل العلم أن طلاق الهازل يقع“^(۱) (قاضی نے کہا:

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہازل کی طلاق واقع ہوتی ہے)۔

جب ہازل کی طلاق کو تسلیم کیا جا رہا ہے تو مکرہ کے تصرفات طلاق و نکاح کو بھی تسلیم کرنا

اس لئے ضروری ہوگا کہ دونوں کی صورت حال یکساں ہے کہ دونوں نے اپنے اختیار سے ایسے

الفاظ کہے جن کے حکم سے وہ راضی نہیں ہیں، لہذا حکماً دونوں ایک درجے میں ہوئے، چنانچہ اس

پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے ملا علی قاری رقم طراز ہیں:

”و كذلك المکره مختار في التكلم اختيارا كاملا في السبب إلا أنه

غير راض بحكمه، لأنه عرف الشرین فاختر أهونهما عليه غير أنه محمول

على اختياره ذلك ولا تأثير لهذا في نفي الحكم“^(۲) (اسی طرح مکرہ سبب کے تعلق

سے اپنی بات کہنے میں پورے طور پر با اختیار ہے مگر یہ کہ وہ اس کے حکم سے راضی نہیں ہے، اس

وجہ سے کہ اس کے پیش نظر دو خرابیاں ہیں، جن میں سے اس نے اپنے لئے آسان ترین کو اختیار

کیا ہے، سوائے اس کے کہ وہ اس کے اختیار کرنے پر مجبور ہے اور اس جبر کا نفی حکم میں کوئی اثر نہیں

ہوتا)۔

اسی وجہ سے فقہائے حنفیہ کا ضابطہ ہے کہ جو چیز ”ہزل“ کے ساتھ صحیح ہوگی وہ اکراہ کے

ساتھ بھی صحیح ہوگی۔ در مختار میں ہے:

”والأصل عندنا أن كل ما يصح مع الهزل يصح مع الإكراه، لأن ما

يصح مع الهزل لا يحتمل الفسخ وكل ما لا يحتمل الفسخ لا يؤثر فيه

الإكراه“^(۳) (ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ ہر وہ شی جو ہزل کے ساتھ صحیح ہوتی ہے اکراہ کے

(۱) مرقاة المفاتیح ۲/۲۸۷، بذل المحمود ۱۰/۲۸۶۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۲/۲۸۸۔

(۳) الدر المختار ۹/۱۹۱۔

ساتھ بھی صحیح ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ جو فحش ہزل کے ساتھ صحیح ہوتی ہے اس میں احتمال فسخ نہیں ہوتا اور بروہ شئی جس میں احتمال فسخ نہیں ہوتا، اس میں اکراہ اثر انداز نہیں ہوتا۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے تو سوالنامہ کے جواب کی یہ نوعیت بنتی ہے کہ:

۱- اگر کسی عورت کو دباؤ ڈال کر، مارنے پیٹنے کی دھمکی دے کر یا جبر و اکراہ کے کسی اور ذریعہ سے نکاح کی اجازت دینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے اس کے لئے ہاں کر لیا تو نکاح ہو جائے گا، "البحر الرائق" میں "المبسوط" کے حوالے سے مرقوم ہے:

"وكل تصرف يصح مع الهزل كالطلاق والعتاق والنكاح يصح مع الإكراه"^(۱) (بروہ تصرف جو ہزل کے ساتھ صحیح ہوتا ہے مثلاً طلاق، عتاق، نکاح وہ اکراہ کے ساتھ بھی صحیح ہوتا ہے)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

"التصرفات الشرعية في الأصل نوعان: إنشاء وإقرار، والإنشاء

نوعان: نوع لا يحتمل الفسخ ونوع يحتمله، أما الذي لا يحتمل الفسخ فالطلاق والعتاق والرجعة والنكاح..... وهذه التصرفات جائزة مع الإكراه عندنا وعند الشافعي لا تجوز"^(۲) (شرعی تصرفات کی دراصل دو قسمیں ہیں: انشاء و اقرار، انشاء کی دو قسمیں ہیں: ایک جس میں احتمال فسخ نہ ہو، دوسری جس میں احتمال فسخ ہو جس میں احتمال فسخ نہیں ہوتا وہ طلاق، عتاق، رجعت اور نکاح وغیرہ ہیں..... اور یہ تصرفات ہمارے نزدیک اکراہ کے ساتھ جائز ہیں اور امام شافعی کے یہاں جائز نہیں ہیں)۔

۲- یہ سچ ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی کو اپنی شادی کرنے کا پورا پورا حق ہے اور ولی کو قطعاً اجازت نہیں ہے کہ اس سلسلے میں جبر و اکراہ کا معاملہ کرے، تاہم اگر ولی نے دھوکہ سے یا دھمکی دے کر یا

(۱) البحر الرائق ۸/۷۵۔

(۲) بدائع الصنائع ۷/۱۸۲۔

کسی اور طرح کے دباؤ کے ذریعہ لڑکی سے بوقت نکاح ہاں کہلو الیا تو یہ اذن مانا جائے گا اور نکاح صحیح ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے:

”إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل بل عباراتهم مطلقة في أن نكاح المكره صحيح كطلاقه وعتقه مما يصح مع الهزل ولفظ المكره شامل للرجل والمرأة“^(۱) (کیونکہ نکاح میں حقیقت رضا کی شرط نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ اکراہ اور ہزل کے ساتھ بھی صحیح ہوتا ہے، بلکہ فقہاء کی عبارتیں اس سلسلے میں مطلق ہیں کہ مکراہ کا نکاح صحیح ہے جیسے اس کی طلاق وعتق کہ یہ ان امور میں سے ہیں جو ہزل کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں، اور لفظ مکراہ مرد و زن دونوں کو عام ہے)۔

نیز علامہ شامی نے حاکم شہید کی ”الکافی“ کتاب الاکراہ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ ولی کا اکراہ کے ساتھ کیا ہوا نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے^(۲)۔

اسی طرح حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی کا فتویٰ بھی فتاویٰ دارالعلوم میں موجود ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”زبردستی کر کے اور زد و کوب کر کے لڑکی بالغہ سے ایجاب یا قبول کرا لینے سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے“^(۳)۔

۳- برطانیہ اور ہندوستان کے معاشرے میں بلاشبہ نمایاں فرق ہے، مگر اسے مسئلہ کفایت سے جوڑنا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں چونکہ ایک نسل اور خاندان کے ہوتے ہیں اور ان کے درمیان ذہن و مزاج کی خاندانی یکسانیت ہوتی ہے، اس لئے دونوں کے لئے باہم

(۱) ردالمحتار ۲/۲۹۳، ۲۹۵۔

(۲) ردالمحتار ۲/۲۹۵۔

(۳) فتاویٰ دارالعلوم ۷/۶۸۔

نباہ کی صورت پیدا کرنا مشکل نہیں ہے، لہذا اس بنیاد پر عورت کو یہ حق نہیں ہوگا کہ کفایت کا مسئلہ کھڑا کر کے قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے، کیونکہ کفایت میں تفاوت اوطان کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، ردالمحتار میں ہے:

”القروی کفء للمدنی فلا عبرة بالبلد أي بعد وجود مامر من أنواع الكفاءة“^(۱) (دیہاتی آدمی شہری کا کفو ہے، لہذا کفایت کی بیان کردہ انواع کے پائے جانے کے بعد شہر کا اعتبار نہیں ہوگا)۔

اسی طرح علامہ شامی نے ”البحر الرائق“ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے:

”فالتاجر فی القرى کفء لبنت التاجر فی المصر للتقارب“ (دیہاتی تاجر شہری تاجر کی بیٹی کا کفو ہے، دونوں میں باہمی قربت کے سبب)۔

لہذا ایک ہندوستانی لڑکا، برطانیہ نثر ادلڑکی کا کفو ہوگا، اور دونوں کے درمیان عقد نکاح صحیح ہوگا اور لڑکی کے لئے اس بنیاد پر تفریق کا مطالبہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔

۴- یہ حکم عام ہے، خواہ زوجین کے درمیان زن و شوئی کے تعلقات قائم ہو چکے ہوں یا اس کی نوبت ابھی تک نہ آئی ہو۔

۵- قاضی اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتا ہے، باوجودیکہ یہ طے شدہ ہے کہ عورت کو مجبور کر کے ہاں کہلوایا گیا ہے۔

(۱) ردالمحتار ۲/۳۵۱۔

جبری نکاح

مولانا محمد ظفر عالم ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۔ حنفیہ کے یہاں رضا مندی کے لئے حقیقی رضا ضروری نہیں بلکہ اگر ظاہری طور پر زبان سے رضا مندی کا اظہار ہو جائے تو انعقاد نکاح کے لئے کافی ہے^(۱)۔

ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاء نے ”المدخل الفقہی العام“ جلد اول میں اس موضوع پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حنفیہ کے یہاں جس طرح حالت انراہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے:

ایک بات قابل غور یہ بھی ہے کہ شریعت نے اولیاء کو جو ولایت سونپی ہے بلاشبہ اس کی بنیاد شفقت اور لڑکی کے مفادات کی رعایت و حفاظت پر ہے، اس لئے یہ بات ناقابل فہم ہے کہ اولیاء شفقت اور مفادات کے خلاف کوئی اقدام کریں، لڑکی کا راضی نہ ہونا یا اولیاء کے فیصلہ کے خلاف جذبہ کا ہونا یہ لڑکی کی عقل اور فہم کی کمی ہے، اس لئے اس کی اس عقل و فہم پر اولیاء کے فیصلہ کو ترجیح دینا ہی لڑکی کے مفادات میں ہے، لہذا لڑکی کو ڈرا دھمکا کر یا زور و کوب کر کے یا نفسیاتی دباؤ میں ڈال کر یا اسپورٹ ضائع کر دینے کی دھمکی دے کر اس سے نکاح کے لئے جوہاں کہلوایاں گیا

(۱) ردالمحتار ۳/۲۱۳، المدخل الفقہی العام ۱/۳۶۳، ۳۷۲، ۳۷۳۔

ہو، گو کہ وہ دل سے راضی نہ ہو، انعقاد نکاح میں جو رضا مندی مطلوب ہے اس میں یہ شامل ہے اور نکاح ہو جائے گا۔

۲- حقیقی رضا اور اذن پر انعقاد نکاح کی بنیاد نہیں ہے بلکہ زبان سے اذن و رضا انعقاد نکاح کے لئے کافی ہے جیسا کہ سوال نمبر ۱ میں تفصیل گزر چکی ہے۔

۳- بلاشبہ برطانیہ اور ہندوستان کی معاشرت میں کافی فرق ہے اور اس معاشرتی فرق کی وجہ سے فریقین کے درمیان بے میل کا رشتہ کہلائے گا، لیکن عدم کفایت کی بناء پر فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق اس صورت میں اولیاء کو ہوتا ہے، جب لڑکی نے اولیاء کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا ہو۔ اس کا مقصد اولیاء کے مفادات کا تحفظ اور معاشرے میں بان کونگ و عار سے بچانا ہے۔ اگر لڑکی اپنے اس نکاح میں ناہمواری محسوس کر رہی ہے تو اسے خلع حاصل کر لینے کا حق موجود ہے، اس لئے وہ اس کو استعمال کرنے۔

۴- میرے خیال میں جبری نکاح میں زن و شو کے تعلقات قائم ہوں یا نہ ہوں، دونوں صورتیں یکساں ہیں، ہاں غیر کفو میں جس میں کہ اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوتا ہے، زن و شو کے تعلقات کا فرق ہوتا ہے۔ اگر زوجین کے درمیان تعلقات قائم ہو گئے ہیں تو اس صورت میں اولیاء کا حق فسخ جاتا رہتا ہے، جیسا کہ فقہی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔

۵- ناچیز کے خیال میں فسخ و تفریق کی بنیاد ضرر ہے، اگر اس نکاح سے لڑکی کو واقعی کوئی ضرر لاحق ہو اور اس کے مفادات متاثر ہو رہے ہوں تو جس طرح فسخ نکاح کی دیگر بنیادوں اور اسباب میں ضرر کو سامنے رکھتے ہوئے فسخ کا حکم لگایا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ”الضرر یزال“ (ضرر کا ازالہ کیا جائے گا) کے قاعدہ شرعی کے تحت یہ حکم جاری ہونا چاہئے۔

جبری شادی

مولانا ابوسفیان مفتاحی
جامعہ عربیہ مفتاح العلوم، منو

۱۔ چونکہ عاقلہ بالغہ لڑکی کے نکاح میں شریعت نے اس کی رضا مندی کو بہت اہمیت دی ہے جیسا کہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح بھی ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں خود مختار ہے، اسے کوئی شخص بھی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا اور اس کی اجازت و رضا مندی کے بغیر اس کی طرف سے کسی شخص نے نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح شرعاً درست نہیں، غرضیکہ عاقلہ بالغہ لڑکی جب تک خود قبول نہ کرے یا کسی کو اپنا وکیل نہ بنائے اس وقت تک اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا، بنا بریں یہ صورت اس کی رضا مندی میں شامل نہ ہوگی، اور اس طرح کیا ہوا نکاح صحیح نہ ہوگا، کیونکہ اس طرح ڈرا دھمکا کر جبری شادی کر دینا لڑکی کے والدین یا دیگر اولیاء کی محبت و شفقت کے شرعاً منافی ہے اور لڑکی کی زندگی کے ساتھ ایک کھلواڑ کرنا ہے (۱)۔

”ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح لا نقطاع الولاية بالبلوغ“۔

۲۔ یہ اس کی رضا اور حقیقی اذن شرعاً تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور اس طرح نکاح کا انعقاد نہ ہوگا۔

(۱) درمختار و شامی ۲/۳۲۳۔

ہاں عاقلہ بالغہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے معاملہ نکاح کو اپنے ولی کے حوالہ کر دے تاکہ بے حیائی کا دھبہ نہ لگے اور امام شافعیؒ کے اختلاف سے بچا جاسکے (۱)۔

۳- برطانیہ کے ماحول میں رہنے والی لڑکی اور ہندوستان میں پرورش پانے والے لڑکے کے درمیان ٹھیک ہے کہ معاشرتی فرق ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ معاشرتی فرق کی وجہ سے یہ شادیاں بے جوڑ تصور کی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود کفو کی شرط کے ساتھ اگر لڑکی اس شادی پر دل سے راضی ہے تو یہ شادی شرعاً درست ہے، لہذا اس صورت میں لڑکی کو یہ دعویٰ کرنے کا ہرگز حق نہیں ہے کہ میری شادی جس شخص سے کی جا رہی ہے وہ میرا کفو نہیں ہے اور بر بناء کفایت اسے حق تفریق بھی حاصل نہیں ہے، کیونکہ کفایت میں اختلاف ملک اور اختلاف شہر و دیہات کا اعتبار نہیں ہے، شرعاً تو اس اختلاف ملک اور فرق معاشرہ کی بنیاد پر انعقاد نکاح ہمتاثر نہ ہوگا (۲)۔

۴- اوپر جس قسم کے نکاح کا ذکر ہوا ہے اس کے بعد دونوں کے درمیان زن و شوئی کے تعلقات قائم رہتے ہیں تو اچھی بات ہے اور اس نکاح کو قائم رہنے دینا چاہئے، کیونکہ اس نکاح کو فسخ کر دینا مضر ہو سکتا ہے، اور اگر زن و شوئی کے تعلقات قائم ہونے کی نوبت نہیں آئی تو اس صورت میں حتی المقدور صلح اور اصلاح اور گزارے کی شکل کی کوشش کرنی چاہئے، اس پر ناکامی کی صورت میں تفریق کی صورت اختیار کی جائے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا حل خود بیان فرمایا ہے:

”وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها إن يريدوا إصلاحا يوفق الله بينهما إن الله كان عليماً خبيراً“ (۳) (اگر تم ڈرو کہ وہ آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے

(۱) در مختار و شامی ۲/۲۲۱۔

(۲) در مختار و شامی ۲/۳۵۱۔

(۳) سورہ نساء، ۳۵۔

خاندان سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں دونوں کا حکم الگ الگ ہے، دونوں صورتوں میں تحریر مذکور کے مطابق عمل کیا جائے کہ اسی میں فلاح مضممر ہے۔

۵۔ شرعی کونسل یا قاضی کے پاس فسخ نکاح کا دعویٰ پیش کئے جانے کے بعد قاضی یا شرعی کونسل اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔

نکاح میں لڑکی کی پسند

مولانا ظفر الاسلام اعظمی
پرنسپل و شیخ الحدیث دارالعلوم منٹو

۱- "إن جاریة بکرا أتت رسول الله ﷺ فذکرت أن أباهما زوجها وهي کارهة فحیرها رسول الله ﷺ". (ایک کنواری عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی کرادی ہے اور وہ اسے ناپسند کرتی ہے تو آپ ﷺ نے اسے اختیار دیا)۔

"وحدثنا فی ذلك حدیث أبی هريرة وأبی موسى الأشعري أن النبی ﷺ رد نکاح بکر زوجها أبوها وهي کارهة" (۱) (ایک کنواری عورت کے نکاح کو جس کی شادی اس کے باپ نے کرادی تھی اور وہ اسے ناپسند تھی، آپ ﷺ نے رد فرمادیا)۔

"والدلیل علیہ حدیث الخنساء، فإنها جاءت إلى النبی ﷺ فقالت: إن أبی زوجنی من ابن أخیه وأنا لذلك کارهة فقال: أجزی ما صنع أبوک، فقالت: مالی رغبة فیما صنع أبی... ولكنی أردت أن یعلم النساء أن لیس للآباء من أمور بناتهم شیء ولم ینکر علیها رسول الله ﷺ مقاتلتها" (۲) (اس کی

(۱) مبسوط للسرخسی ۲/۵۔

(۲) حوالہ سابق۔

دلیل حضرت خنساء کی یہ حدیث ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا کہ میرے والد نے اپنے بھتیجے سے میری شادی کرادی ہے اور میں اسے ناپسند کرتی ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے برقرار رکھو جو تمہارے والد نے کر دیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے والد کے انجام دیئے ہوئے کام سے کوئی دلچسپی نہیں، میں تو صرف یہ چاہتی تھی کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ باپوں کو اپنی بیٹیوں کے سلسلے میں کچھ اختیار نہیں، آپ ﷺ نے ان کی اس بات کو ناپسند نہیں فرمایا۔

”الایمہ أحق بنفسها من وليها“ (شوہر دیدہ عورت اپنی ذات کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے)۔

مذکورہ تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کو مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ یہی امام ابوحنیفہ، امام ثورثی، امام اوزاعی اور قاضی ابو ثور اور ایک جماعت کا مذہب ہے^(۱)۔

۲۔ اگر بھرا کر یا کراہ ہی سہی لڑکی ایجاب یا قبول کرتی ہے تو اس صورت میں نکاح ہو جائے گا۔

”إن نكاح المکره صحيح... ولفظ المکره شامل للرجل والمرأة“^(۲)
(مکرہ (جس کو مجبور کیا جائے) کا نکاح صحیح ہے... اور لفظ مکرہ میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں)۔

لیکن انگوٹھے لگوانے اور دستخط کرا لینے سے نکاح نہ ہوگا، جیسا کہ خیر الفتاویٰ ۲۵۷/۲ پر ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے۔ ”صرف انگوٹھا لگانا نکاح نہیں ہے“۔

۳۔ چونکہ کفالت بیوی اور اس کے اولیاء دونوں کا حق ہے جیسا کہ درمختار ۲/۱۷۳ پر تحریر ہے، اس لئے اس طرح کی بے جوڑ شادیوں پر عورت تفریق کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

(۱) بدیۃ المجتہد ۲/۶۰، ۱۷۰، نیز دیکھئے: فتح القدیر مع ہدایہ ۲/۳۸، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸/۳۷۔

(۲) شامی ۲/۱۷۳ طبع بیروت۔

۴- اگر لڑکی نے جبراً ہی سہی ایجاب یا قبول کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا اور وطی سے قبل طلاق دینے پر نصف مہر لازم ہوگا۔

اہل ظاہر کا بھی یہی مذہب ہے۔

لیکن اگر دخول ہو گیا تو پورا مہر لازم ہوگا اور قاضی کے ذریعہ فسخ کرانا ہوگا، لیکن اگر صرف دستخط کر دیا یا نشان انگوٹھا لگا دیا تو عاجز کے نزدیک سرے سے یہ نکاح ہی نہ ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، اس لئے اس میں تفریق کی ضرورت نہیں۔

۵- وہ دلائل جو اوپر مذکور ہیں ان کی روشنی میں سمجھ میں آتا ہے کہ قاضی یا شرعی کونسل پورے طور پر مطمئن ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

نکاح میں لڑکی کی پسند کی رعایت

اسلامی اصول کی روشنی میں

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سمبلی
جامعۃ القرآن اکبر باغ، حیدرآباد

۱- نکاح میں عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضا مندی کی اہمیت:

اسلام نے عاقل بالغ لڑکی کو شادی کے معاملہ میں اس کی پسند اور ناپسند کا اختیار دیا ہے

اور اس کی اجازت اور اس کی رضا مندی کو ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

”الثیب أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها وإذنها

صماتها“^(۱) (شادی شدہ عورت ولی کے مقابلہ میں اپنے آپ کی زیادہ ذمہ دار ہے، اور

غیر شادی شدہ لڑکی سے اس کے نکاح کی بابت اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کی

خاموشی ہے)۔

لہذا اگر کنواری لڑکی بھی کسی لڑکے سے شادی کرنے سے انکار کر دے، تو زبردستی اس کا

نکاح کرانا جائز نہیں ہوگا۔ ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے:

”الیتیمۃ تستأمر في نفسها فإن صمتت فهو إذنها، وإن أبت فلا جواز

(۱) صحیح مسلم، ۴۵۵ کتاب النکاح، باب استئذان الثیب بالنکاح فی النکاح بالنطق۔

علیہا“^(۱) (کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں اس کی رائے معلوم کی جائے، اگر وہ خاموش رہے تو اس کی اجازت سمجھی جائے گی، اگر وہ انکار کر دے تو اس کی مرضی کے خلاف (نکاح) کرنا بھی جائز نہیں)۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک لڑکی کی شادی اس کے باپ نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود کر دی، تو نبی کریم ﷺ نے اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا

”إن جاریة بکرا أتت النبی ﷺ فذکرت أن أبها زوجها وهي کارهة، فخیرها النبی ﷺ (ایک کنواری لڑکی نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اس کے باپ نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کی شادی کر دی ہے تو نبی ﷺ نے اس کو اختیار دیا)^(۲)۔

بلوغ المرام کے شارح علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی (م: ۱۱۸۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

”وهذا الحدیث أفاد ما أفاده، فدل علی تحریم إجبار الأب لابنته البکر علی النکاح وغیره من الأولیاء بالأولی، وإلی عدم جواز إجبار الأب ذہبت الہادویة والحنفیة“^(۳) (یہ حدیث باپ کے اپنی کنواری بیٹی کو نکاح پر مجبور کرنے کی حرمت کو بتاتی ہے، تو بدرجہ اولیٰ دوسرے اولیاء کے لئے یہ حرام ہوگا۔ ہادویہ اور حنفیہ کا مذہب باپ کے لئے ولایت اجبار کے ناجائز ہونے کا ہے)۔

نسائی کی حدیث میں اسی طرح کا ایک واقعہ منقول ہے:

”عن عائشة أن فتاة دخلت علیها، فقالت: إن أبي زوجنی ابن أخیه

(۱) سنن ترمذی ۲۱۰/۱ کتاب النکاح، باب ماجاء فی إکراه الیتیمۃ علی التزویج، نیز ابوداؤد

۲۸۵/۱، نسائی ۲/۲۳ باب البکر یزوجها أبوها وهي کارهة۔

(۲) ابوداؤد ۲۸۶/۱ باب فی البکر یزوجها أبوها ولا یستأمرها۔

(۳) سبل السلام ۳/۲۳۔

لیرفع بی خسیسته وأنا کارهه، فقالت: اجلسی حتی یأتی النبی ﷺ، فجاء رسول الله ﷺ فأخبرته، فأرسل إلى أبيها فدعاها، فجعل الأمر إليها، فقالت: يا رسول الله: قد أجزت ما صنع أبي، ولكن أردت أن أعلم النساء أن ليس إلى الآباء من الأمر شيء“^(۱) (سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک لڑکی ان کے پاس آئی، اس نے کہا کہ میرے باپ نے میری شادی اپنے بھتیجے سے کرادی، تاکہ میرے ذریعہ اس کی پستی کو دور کرے، جبکہ میں (یہ رشتہ) ناپسند کرتی ہوں، ام المؤمنین نے فرمایا: نبی ﷺ کے آنے تک یہاں بیٹھو، رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، تو اس نے آپ ﷺ سے بتلایا آپ ﷺ نے کسی کو بھیج کر اس کے باپ کو بلایا، پھر لڑکی کو فیصلہ کا اختیار دیا، لڑکی نے کہا: اے اللہ کے رسول: جو کچھ میرے ابا نے کیا، میں اسے برقرار رکھتی ہوں، لیکن میں عورتوں کو بتانا چاہتی تھی کہ باپوں کو نکاح کے معاملہ میں کچھ اختیار نہیں ہے)۔

بخاری میں ایک دوسرا واقعہ شادی شدہ عورت کے بارے میں ہے:

”عن خنساء بنت خدام الأنصارية أن أباهما زوجها وهي ثيب، فكرهت ذلك، فأتت رسول الله ﷺ فردت نكاحها“^(۲) (خنساء بنت خدام انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی کر دی، جبکہ وہ شوہر دیدہ تھیں، ان کو یہ شادی ناپسند تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، آپ ﷺ نے ان کا نکاح رد کر دیا)۔

چنانچہ ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے^(۳) حنفیہ نے بالغ لڑکی کا جبری نکاح کرانا ناجائز قرار دیا ہے:

(۱) سنن النسائي ۲/۶۳ کتاب النکاح باب البکر یزوجها أبوها وهي کارهه۔

(۲) بخاری ۲/۷۷۱، ۷۷۲ کتاب النکاح باب إذا زوج ابنته وهي کارهه فنکاحه مردود۔

(۳) فتح القدير ۳/۲۵۲۔

”ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح“^(۱) (ولی کے لئے کنواری بالغ لڑکی کو نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے)۔

علامہ حافظ ابن تیمیہ نے حنفیہ کے مذہب کو حدیث کی روشنی میں زیادہ صحیح قرار دیا ہے:

”وإذا كانت بكرًا فالبكر يجبرها أبوها على النكاح، وإن كانت بالغة : في مذهب مالك والشافعي، وأحمد في إحدى الروايتين وفي الأخرى وهي مذهب أبي حنيفة وغيره أن الأب لا يجبرها إذا كانت بالغة، وهذا أصح ما دل عليه سنة رسول الله ﷺ و شواهد الأصول“^(۲) (جب لڑکی کنواری ہو تو امام مالک، شافعی اور احمد کی ایک روایت کے مطابق اس کا باپ اس کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے، اگرچہ وہ بالغ ہو۔ امام احمد کی دوسری روایت اور یہی امام ابوحنیفہ وغیرہ کا مذہب ہے، یہ ہے کہ جب لڑکی بالغ ہو تو باپ اس پر جبر نہیں کرے گا۔ حدیث نبوی اور اصول کی روشنی میں یہ زیادہ صحیح قول ہے)۔

حافظ ابن تیمیہ دوسری جگہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”وسئل رحمه الله تعالى عن بنت بالغ، وقد خطبت لقرابة لها فأبت وقال أهلها للعاقدة: اعقد وأبوها حاضر: فهل يجوز تزويجها؟ فأجاب: أما إن كان الزوج ليس كفواً لها فلا تجبر على نكاحه بلا ريب، وأما إن كان كفواً فللعماء فيه قولان مشهوران؛ لكن الاظهر في الكتاب والسنة والاعتبار أنها لا تجبر؛ كما قال النبي ﷺ: ”لا تنكح البكر حتى يستأذنها أبوها وإذنها صماتها“ والله أعلم^(۳)۔

(ابن تیمیہ سے ایسی بالغ لڑکی کے بارے میں پوچھا گیا، جس کو اس کے کسی رشتہ دار

(۱) ہدایہ مع الفتح ۲۵۱/۳۔

(۲) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۲/۳۹، ۳۰ مطبوعہ دارالرحمۃ قاہرہ۔

(۳) فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۸/۳۲۔

کی طرف سے پیغام دیا گیا ہو، وہ انکار کرتی ہو، اس کے گھر والے نکاح کرنے والے سے کہیں:
 اس سے عقد کر لو، وہاں اس کا باپ حاضر ہو، تو کیا اس لڑکی کا نکاح کرانا جائز ہوگا؟ انہوں نے
 جواب دیا: اگر شوہر لڑکی کا کفو نہیں ہے، تو بلاشبہ اس کو نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور اگر
 شوہر کفو ہے، تو اس بارے میں علماء کے دو اقوال مشہور ہیں، لیکن قرآن، حدیث اور قیاس کی
 روشنی میں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: غیر
 شادی شدہ لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے، یہاں تک کہ اس کا باپ اس سے اجازت لے لے اور اس
 کی اجازت اس کی خاموشی ہے)۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأما تزويجها مع كراهتها للنكاح: فهذا مخالف للأصول والعقول،
 والله لم يسوغ لوليها أن يكرهها على بيع أو إجارة إلا بإذنها، ولا على طعام أو
 شراب أو لباس لا تريده، فكيف يكرهها على مباحة ومعاشرة من تكره
 مباحته ومعاشرة من تكره معاشرته؟ والله قد جعل بين الزوجين مودة
 ورحمة، فإذا كان لا يحصل إلا مع بغضها له، ونفورها عنه، فأى مودة ورحمة
 في ذلك؟“^(۱)

(لڑکی کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کا نکاح کرانا اصول شریعت اور عقل کے خلاف
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ولی کے لئے گنجائش نہیں رکھی ہے کہ اس کو خرید و فروخت یا کرایہ کے معاملہ میں
 مجبور کرے اور نہ ہی کھانے پینے یا لباس کے معاملہ میں اس کو مجبور ایسی چیز پر کرے جس کو وہ نہ
 چاہتی ہو، تو کیسے اس کو ایسے شخص کے ساتھ رہنے اور زندگی گزارنے پر مجبور کر سکتا ہے، جس کو وہ
 ناپسند کرتی ہو؟ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان محبت اور رحم دلی رکھی ہے۔ جب لڑکی کی

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۲/۲۵۔

طرف سے نفرت اور غصہ کے ساتھ یہ رشتہ طے پائے تو کون سی محبت اور رحم دلی پیدا ہوگی؟۔

ان توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہ کا مذہب بھی حنفیہ کے مطابق ہے، لہذا کتاب و سنت اور قیاس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ عاقل بالغ لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف نکاح کے لئے مجبور کرنا، اس پر دباؤ ڈالنا اور نکاح نہ کرنے پر اس کو دھمکیاں دینا جائز نہیں ہے اور اس طرح ڈرا دھمکا کر لڑکی سے ہاں کہلو لینا اس کی رضا مندی نہیں کہلائے گی، کیونکہ حدیث میں ”کارہۃ“ کا لفظ آیا ہے کہ وہ لڑکی اپنی چچا زاد بھائی سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کو اختیار دیا، تو جو چیز دل سے پسند نہ ہو اس پر رضا مندی کیسے ہو سکتی ہے؟۔

۲- نکاح کے لئے زبردستی راضی کرنا:

حنفیہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ وہ شرعی معاملات جو مکمل ہونے کے بعد فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں، وہ اکراہ کے باوجود جائز ہوتے ہیں، جیسے نکاح، طلاق، رجعت، ایلاء اور قسم وغیرہ^(۱)، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں:

”والمراة إذا أكرهت على النكاح ففعلت صح النكاح“^(۲) (عورت پر جب نکاح کے لئے زبردستی کی جائے اور وہ نکاح کر لے تو نکاح درست ہے)۔

حنفیہ کا استدلال اس سلسلہ میں قرآن کی مطلق آیات سے ہے، جن میں اکراہ وغیرہ کی کوئی قید اور تخصیص نہیں کی گئی ہے:

”وأنکحوا الأیامی منکم“^(۳) (اپنے میں سے بے نکاحوں کا نکاح کرادو)۔

(۱) بدائع الصنائع ۶/۱۹۳۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۵۳ طبع دیوبند۔

(۳) سورۃ نور ۳۲۔

”فطلقهن لعدتهن“^(۱) (ان کو پاکی کی حالت میں طلاق دو)۔

نیز حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے بھی ہے:

”ثلاث جد هن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة“^(۲) (تین

چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور ان کا مذاق بھی سنجیدگی کے درجہ میں ہے: نکاح، طلاق اور رجعت)۔

اکراہ میں بزل (مذاق) کا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں واقعی قصد نہیں

ہوتا^(۳)۔ اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں سیدنا حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ جب ان

کو مشرکوں نے پکڑ لیا اور ان سے زبردستی قسم کھلائی کہ وہ مشرکوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی مدد

نہیں کریں گے تو انہوں نے قسم کھالی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بتایا تو آپ ﷺ نے

فرمایا: ان کا عہد یعنی قسم پوری کرو: ”أوف لهم بعدهم“^(۴)۔

اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اکراہ کی صورت میں کہ لڑکی دباؤ میں آکر ”ہاں“ کر دے

تو نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن لڑکی کو قاضی کے پاس جا کر نکاح منسوخ کرانے کا اختیار ہوگا، جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ نے ایک کنواری لڑکی کو اختیار دیا تھا:

”إن أباهما زوجها وهي كارهة فخيرها النبي ﷺ“^(۵)۔

اور نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا، لیکن اس

نے اس نکاح کو باقی رکھا:

(۱) سورة طلاق، ۱۔

(۲) سبل السلام ۳۳۵۔

(۳) الفقه الاسلامی وادلتہ ۵/۴۰۴ طبع المکتبۃ المحقانیہ پاکستان۔

(۴) مصنف عبدالرزاق بحوالہ نصب الراية ۳/۲۲۲۔

(۵) ابوداؤد، ۲۸۶۔

”فجعل الأمر إليها، فقالت: يا رسول الله! قد أجزت ما صنع أبي“ (۱)۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ناپسندیدگی اور اکراہ کی حالت میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ قاضی کے پاس اس نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے، علامہ سندھی نسائی کی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

”فجعل الأمر إليها“ یفید أن النكاح منعقد إلا أن نفاذه إلى أمرها“ (۲) (نکاح کے معاملہ میں اس کو اختیار دیا)، اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مگر اس کا نفاذ عورت کی صواب دید پر ہے۔

۳۔ عدم کفایت کا دعویٰ:

برطانیہ یا کسی مغربی ملک کی شہریت رکھنے والی لڑکی کا نکاح اس کے سرپرست زبردستی اپنے خاندان کے ہندوستانی یا پاکستانی لڑکے سے کرادیں، تو لڑکی کو اس بنا پر تفریق کا حق حاصل نہیں ہونا چاہئے کہ یہ نکاح اس کے کفو میں نہیں ہوا ہے، بلکہ یہ نکاح تو لڑکی کے کفو میں ہی شمار ہوگا کہ لڑکی کا نکاح اس کے آبائی وطن سے تعلق رکھنے والے اور اس کے خاندان کے لڑکے سے ہوا ہے۔ کسی انسان کے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر دوسرے ملک جانے سے اس کی قومیت اور نسل بدل نہیں جاتی۔ دوسرے یہ کہ فقہاء نے کفایت کا اعتبار نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور پیشہ میں کیا ہے (۳)، کسی بھی فقیہ نے کفایت میں شہریت کا اعتبار نہیں کیا ہے، بلکہ علامہ حاکمی نے اس کے معتبر نہ ہونے کی صراحت کی ہے:

”والقروي كفاء للمدني، فلا عبرة بالبلد، كما لا عبرة بالجمال“ (۴)۔

(۱) نسائی ۲/۶۳۔

(۲) حاشیہ الامام السندی علی النسائی ۶/۸۷ طبع الدار المصریہ اللیبانیہ قاہرہ۔

(۳) کنز الدقائق مع البحر ۳/۱۳۰۔

(۴) الدر المختار ۴/۲۱۹۔

(دیہاتی شہری کا کفو ہے، لہذا شہریت کا کوئی اعتبار نہیں، جیسا کہ خوبصورتی کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔

۴- زبردستی نکاح کے بعد کی دو حالتیں:

اس طرح کے جبری نکاح کے بعد زوجین کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہو گئے ہوں، یا قائم نہ ہوئے ہوں گے، دونوں صورتوں میں عورت کو نسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، البتہ اگر ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو، تو مقررہ مہر کا آدھا واجب ہوگا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

”وإن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن ، وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم“^(۱)۔

(اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو، اور ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے، تو (ایسی صورت میں) مقرر کئے ہوئے مہر کا آدھا حصہ دینا ضروری ہے)۔ اور اگر ازدواجی تعلق قائم ہونے کے بعد تفریق ہو، تو مکمل مہر دینا ہوگا، چنانچہ ابو داؤد کی روایت میں ہے:

”عن بصرة قال: تزوجت امرأة بكرة في سترها، فدخلت عليها، فإذا هي حبلى، فقال النبي ﷺ: لها الصداق بما استحلتت من فرجها. وفرق بينهما“^(۲)۔

(بصرہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک غیر شادی شدہ عورت سے شادی کی، میں اس کے پاس آیا، وہ حاملہ نظر آئی، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ازدواجی تعلق قائم کرنے کی بنا پر عورت کے لئے مہر ہے، اور ان دونوں کے درمیان علاحدگی کرادی)۔

(۱) سورۃ بقرہ: ۲۳۷۔

(۲) ابو داؤد، باب المرأة يتزوج المرأة فيجدها حبلى۔

۵- تفریق کا حق:

قاضی یا شرعی کونسل کے پاس جبری نکاح کا کوئی مقدمہ آئے، فریقین کے بیانات کو سننے کے بعد وہ محسوس کریں کہ لڑکی کو جبر و اکراہ کے ذریعہ نکاح پر مجبور کیا گیا تھا، لڑکی اس نکاح پر راضی نہیں تھی اور اب بھی اس شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں ہے، تو قاضی یا شرعی کونسل اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں، چنانچہ اس سے پہلے ابو داؤد اور نسائی کی حدیث ذکر کر دی گئی ہے:

”إن جاریة بکرا أتت النبی ﷺ، فذکرت أن أبها زوجها وهي کارهة فخیرها النبی ﷺ“ (۱)۔

(ایک کنواری لڑکی نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اسی کے باپ نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کا نکاح کر دیا ہے، تو نبی ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا)۔
اور دارقطنی بیہقی کی روایت میں ہے:

”إن رجلا زوج ابنته وهي بکر من غیر أمرها فأتت النبی ﷺ ففرق بینهما“ (۲)۔

(ایک شخص نے اپنی کنواری بیٹی کی شادی اس سے اجازت لئے بغیر کرادی، وہ نبی ﷺ کے پاس آئی، تو آپ ﷺ نے زوجین کے درمیان علاحدگی کرادی)۔
لہذا سب سے بہتر راستہ یہی ہے کہ جبری نکاح کو منعقد مان کر عورت کو قاضی کے پاس تفریق کا حق دیا جائے۔

خلاصہ بحث:

۱- عاقل، بالغ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کرانا شریعت کی رو سے ناجائز ہے،

(۱) ابو داؤد ۲۸۶/۱۔

(۲) سنن الدارقطنی ۳/۲۳۳، سنن بیہقی ۷/۱۱۷۔

لڑکی کو ڈرا دھمکا کر اور اس پر دباؤ ڈال کر اس کو نکاح کے لئے تیار کر لینا اور ”ہاں“ کہہنا اس کی رضا مندی نہیں سمجھی جائے گی۔

۲- حنفیہ کے نزدیک جبر و اکراہ کی بنا پر ہی سہی اگر لڑکی نے نکاح کی اجازت دے دی تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ اس کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

۳- برطانوی شہریت یافتہ لڑکی کا نکاح اگر اس کے رشتہ داری میں ہندوستانی یا پاکستانی لڑکے سے کر دیا جائے اور دونوں ایک جگہ رہ رہے ہیں، تو لڑکی کو محض اس بنا پر تفریق کا حق نہیں ہوگا کہ اس کا شوہر برطانیہ کا شہریت یافتہ نہیں ہے اور اس کی تعلیم و تربیت برطانیہ کے ماحول میں نہیں ہوئی ہے۔

۴- جبری نکاح کے بعد چاہے ازدواجی تعلق قائم ہو جائے، یا تعلق قائم نہ ہو، دونوں صورتوں میں تفریق کا حق حاصل ہوگا، البتہ ازدواجی تعلق قائم ہونے کے بعد تفریق ہو تو مکمل مہر واجب ہوگا اور ازدواجی تعلق سے پہلے تفریق کی صورت میں آدھا مہر واجب ہوگا۔

۵- قاضی یا شرعی کونسل کے نزدیک جب اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ لڑکی کو اس کی رضا مندی کے بغیر جبر و اکراہ کے ذریعہ نکاح پر مجبور کیا گیا ہے، لڑکی کو وہ نکاح پسند نہیں، اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ہے، تو قاضی یا شرعی کونسل اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔

جبری شادی

ڈاکٹر عبداللہ جوالم
عمر آباد، تامل ناڈو

ولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ عاقلہ بالغہ کی شادی اس کی رضا اور مجازت کے بغیر کر دے، اگر اس نے ایسا کیا تو لڑکی کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو نکاح قبول کرے یا فسخ کروالے، اس کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:

”عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن، قالوا: يا رسول الله وكيف إذن؟ قال: أن تسكت“^(۱) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس کی اجازت کیسے معلوم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔)

”عن خنساء بنت خدام أن أباهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا“^(۲)۔

(۱) بخاری و مسلم۔

(۲) اس حدیث کی روایت مسلم کو چھوڑ کر محدثین کی ایک جماعت نے کی ہے۔

(حضرت خنساء بنت خزامؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی کرادی تھی اور وہ شیبہ تھیں، تو انہیں یہ شادی ناپسند تھی، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے ان کا نکاح رد کر دیا)۔

”عن ابن عباس قال: إن جارية بكرأت رسول الله ﷺ فذكرت أن أباهأزوجها وهي كارهة فخيرها النبي ﷺ“ (۱)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی کر دی ہے اور وہ اس کو ناپسند ہے تو آپ ﷺ اس کو اختیار دیا)۔

اگر اس کی صورت میں اس کے ہاں کہنے یا دستخط کرنے سے رضامندی ظاہر نہیں ہوتی۔
۱، ۲۔ لڑکی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔

۳۔ اگر لڑکی ابتداءً نکاح سے راضی رہی ہو اور بعد میں معاشرتی فرق کی وجہ سے جدائی چاہے تو اسے خلع لینا پڑے گا، نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نکاح کی صحت کے لئے اس قسم کی کفالت کی کوئی شرط نہیں ہے۔

۴۔ اگر زن و شوئی تعلقات قائم ہو چکے ہوں تو اس بات کی چھان بین اچھی طرح کرنی ہوگی کہ ابتداءً نکاح میں لڑکی راضی تھی یا نہیں، کیونکہ لڑکی کا اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنا فی الغالب اس کی رضا کی دلیل ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ کو مجبور پا کر حوالہ کرنے کے لئے تیار ہوئی ہو، تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ہندوستان و پاکستان سے باہر جانے کے بعد ان کے درمیان زن و شوئی تعلقات قائم ہوئے یا نہیں، اگر قائم ہوئے ہوں تو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہ ہوگا، حضرت بریرہؓ کے آزاد ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

(۱) اس کی روایت ابن ماجہ کو چھوڑ کر حدیث کے پانچوں ائمہ نے کی ہے۔

”وان قریبک فلاخیارلک“ (۱)۔

(اگر وہ) یعنی تمہارے شوہر) تم سے جماع کر چکے ہیں تو تمہیں اختیار نہیں ہے)۔

۵۔ اگر قاضی یا شرعی کونسل کے سامنے اس بات کا ثبوت مل جاتا ہے کہ لڑکی کو جبر واکراہ کے ذریعہ نکاح پر مجبور کیا گیا تھا اور لڑکی کسی طرح نکاح منظور کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور نہ ہے تو قاضی یا شرعی کونسل کو اس کے مطالبہ پر نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، کیونکہ یہی مسلمانوں کے لئے حکومت کے قائم مقام ہیں۔

(۱) ابوداؤد۔

جبری شادی

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اسلام جس نے عورتوں کا الگ وجود تسلیم کیا اور ان کو طرح طرح کے حقوق دیئے ہم اپنے عمل سے اس کی گھناؤنی تصویر پیش کریں۔ اور اغیار کو اس پر بننے کا موقع فراہم کریں، مغرب کے عیش کدہ میں زندگی گزارنے اور اس کے آزادانہ ماحول میں بچوں کو اسی طرح نشوونما ہونے دینے کے بعد صرف شادی کی حد تک یہ زور روز بردستی کسی طرح اسلامی روح سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ جس کو ہوا ایمان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟ یہ مرحلہ تو آنا ہی تھا۔ ایسے لوگوں کو پہلے ہی سوچ کر یا تو اس مغربی ماحول کو خیر باد کہہ کر واپس آ جانا چاہئے تھا اور نہیں آئے تو اس کے کڑوے کیلے پھلوں کو کھانا پڑے گا۔ اس کی اصلاح کے لئے مشرق میں رشتے کرنے سے جو نتائج ہو سکتے ہیں ان کی سوالنامہ میں پوری طرح عکاسی کر دی گئی ہے۔ یہ رشتے مذہبی، علمی و تہذیبی اعتبار سے بالکل غیر کفو میں ہوں گے، خواہ حسب و نسب کے اعتبار سے ایک ہوں جن کی اس ماحول میں پروردہ نسل کے لئے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ شادی کے سلسلہ میں اس طرح کی زور روز بردستی اور مکرو فریب مغرب میں پروردہ اولاد کو مذہب سے اور دور کر دے گی اور اسلام کی الگ جگہ بنائی ہوگی۔ ایسے خاندانوں کے لئے بہتر ہے کہ

اسی ماحول میں رہنے والے مسلمانوں کے درمیان رشتے تلاش کریں۔ اس مختصر تمہید کے بعد دیئے گئے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

۱- بے شک اسلام میں عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضامندی کو شریعت نے ضروری قرار دیا ہے اور مذکورہ ظالمانہ حربے رضامندی کے منافی ہیں، اس لئے شاید نکاح کا انعقاد ہی نہ ہو۔

۲- دھوکہ، مار پیٹ اور پاسپورٹ کو ضائع کر دینے جیسی دھمکی کے ذریعہ شادی کے لئے عاقلہ و بالغہ لڑکی سے جبر و اکراہ کے ساتھ ہاں کرا لیا جائے یا دستخط کرا لئے جائیں تو یہ اس کی حقیقی رضایا اذن ہرگز تسلیم نہیں ہوگا۔ اس طرح کی چیز کا تصور افریقہ کے کسی جنگلی قبیلہ میں بھلے ہی کیا جائے اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۳- تہذیبی و تمدنی اور علمی و مذہبی فرق کی بنیاد پر لڑکی کا یہ دعویٰ حق بجانب ہوگا کہ اس کی شادی جس سے کی جا رہی ہے وہ اس کا کفو نہیں ہے اور اس بنا پر اس کو حق تفریق حاصل ہے۔

۴- اس طرح کے جبری نکاح کے بعد دونوں کے درمیان تعلقات زن و شوئی قائم ہوتے ہیں تو اسے اقرار نکاح پر دلیل مانا جائے گا ورنہ نہیں (جس طرح ایک طلاق کے بعد اس طرح کا فعل رجوع کے مترادف ہوتا ہے اور ایسا نہ ہو تو جدائی ہو جاتی ہے)۔

۵- قاضی یا شرعی کونسل کو فریقین کے بیانات کے بعد اس بات کا یقین ہو جائے کہ لڑکی کو جبر و اکراہ کے ذریعہ نکاح پر مجبور کیا گیا تھا حالانکہ وہ کسی طرح راضی نہیں تھی تو قاضی یا شرعی کونسل اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔

نکاح میں اولیاء کے اختیارات

مفتی احمد نادر القاسمی

اسلام کے معاشرتی اور ازدواجی نظام میں اولیاء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، اور شریعت کی طرف سے بہت سی معاشی، انتظامی، تربیتی اور اخلاقی ذمہ داریاں ان پر ڈالی گئی ہیں، اور اسے ہر ممکن نبھانے اور برتنے کا تقاضا کیا گیا ہے، اور ذمہ داریاں خواہ آداب و اخلاق، تعلیم و تربیت اور حسن معاشرت سے متعلق ہوں یا نان و نفقہ اور شادی بیاہ سے، ان میں کسی بھی قسم کی کوتاہی اور کمی پر سخت گرفت کی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

”کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ“ (۱) (کہ تم میں کا ہر شخص نگہبان ہے،

اور ہر ایک سے اس کی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں باز پرس ہوگی)۔

اسی طرح جب بچے جوان اور بالغ ہو جائیں تو ان کی وقت پر شادی بیاہ کر دینے کا بھی

شریعت نے مطالبہ کیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وأنکحوا الأیامی منکم والصالحین من عبادکم و إیمانکم إن یکنوا

فقراء یغنہم اللہ من فضلہ“ (۲) (اور نکاح کر دو بے نکاح لوگوں کا اپنے میں کے (اور ان

غلام اور باندیوں کا جو نیک اور صالح ہوں) اگر وہ غریب اور مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل

سے انہیں غنی اور مالدار کر دے گا)۔

(۱) اخرجہ الشیخان فی کتاب الامارہ، اللؤلؤ والمرجان ۸/۴۷۸۔

(۲) سورۃ نور: ۳۲۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوجها، فإن بلغ ولم يزوجه، فأصاب إثمًا فإنما إثمه على أبيه، وفي رواية: عن رسول الله ﷺ قال: في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثني عشرة سنة ولم يزوجها فأصاب إثمًا فإثم ذلك عليه“ (۱) (جس شخص کے گھر بچہ پیدا ہوا سے چاہئے کہ اس کا اچھا سا نام رکھے اور اسے عمدہ اخلاق و آداب سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرائے، بالغ ہونے کے بعد اس نے اس کی شادی نہیں کرائی اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس گناہ کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔ اور دوسری روایت میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ توریت میں یہ موجود ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کی ہو گئی اور اس نے اس کی شادی نہیں کرائی اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس گناہ کا وبال اس شخص پر ہوگا)۔

یہی نہیں بلکہ معاشرے کو پاک و صاف رکھنے اور بن بیاہی عورتوں کے رشتہ ملنے کے بعد فوراً ان کا نکاح کر دینے کی جناب رسول اللہ ﷺ نے اولیاء کو تاکید فرمائی، چنانچہ ایک روایت میں ہے:

”ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنابة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفواً“ (۲)۔

(تین چیزیں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، نماز جب اس کا وقت آجائے، جنازہ جب حاضر ہو جائے، اور جب بے شادی شدہ لڑکی یا لڑکی کا رشتہ مل جائے)۔

اولیاء کی رضا مندی اور عاقلہ بالغہ سے اجازت:

لڑکی کے اور لڑکی کے نکاح اور شادی بیاہ میں والدین اور اولیاء کا کردار (بالخصوص جب

(۱) رواہما للبيهقي في شعب الإيمان، نیز دیکھئے: المشكاة ۲/۲۷۱۔

(۲) رواه الترمذی وقال: إسناده غریب۔

بالغ ہوں) ایک دینی فریضہ اور شرعی حق کی حیثیت رکھتا ہے، اسے ہر ممکن ادا کرنا ہے۔ شریعت کے مقاصد، بندے کے عمومی مصالح اور سماجی زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں اولیاء کی رضا مندی اگر وہ حد اعتدال میں ہو اور کسی خاص جگہ نکاح کی کسی مصلحت کی وجہ سے اجازت نہ دینے کی صورت میں ان کے شریعت کے دیئے ہوئے حقوق ضائع نہ ہو رہے ہوں، تو یہ یقیناً شرعاً مطلوب ہے اور وہ روایات جن میں اولیاء کی اجازت کو ضروری اور ان کی مرضی کے بغیر کئے ہوئے نکاح کو مردود و باطل گردانا گیا ہے، ان کا منشاء دراصل یہی ہے کہ اگر بچے اپنی مرضی سے اولیاء اور ذمہ دار کی اجازت کے بغیر اپنی شادی کر لیں گے تو سماجی حیثیت سے ان کی غیرت اور جذبات کو ٹھیس پہنچے گی جو یقیناً شریعت کی نگاہ میں والدین اور اولیاء کی ناقدری اور ادب و احترام سے دور کی بات ہے، نیز اس لئے بھی کہ اولیاء کی اجازت پر نکاح کو موقوف کر کے دراصل لڑکے اور لڑکی کی شخصی عزت اور سماج میں اس کے وقار و احترام کو برقرار رکھنا ہے، تاکہ لوگ اسے برا اور معیوب نہ سمجھیں، اسی لئے روایات میں اولیاء کی اجازت و رضا مندی کے بغیر کئے گئے نکاح کو معیوب سمجھا گیا ہے، اور بعض روایات میں تو اسے زنا تک کہہ دیا گیا ہے، اس باب کی چند وہ روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے ولی کی اجازت کے بغیر کئے گئے نکاح کے عدم انعقاد کا پتہ چلتا ہے:

”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن رسول اللہ ﷺ قال: أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها فنکاحها باطل، فنکاحها باطل، فنکاحها باطل، فإن دخل بها، فلها المهر بما استحل من فرجها فإن اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی له“ (۱)۔

(حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے اپنا نکاح

(۱) رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی۔ مشکاة ۲/۷۰-۷۱، طبع مکتبہ تھانوی سہارنپور۔

اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اور اگر اس کے شوہر نے دخول کر لیا تو اس عورت کا مہر اس کو اپنے لئے حلال سمجھنے کی وجہ سے اس پر واجب ہوگا، اور اگر اولیاء آپس میں اختلاف کر لیں تو سلطان اس کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہیں۔

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:

”أن النبی ﷺ قال: البغایا اللاتی ینکحن أنفسهن بغیر بینة“ (۱)۔

(جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت زانیہ اور فاحشہ ہے جس نے اپنا نکاح

بغیر ثبوت کے کر لیا (اس کی سند حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے))۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے:

”أن النبی ﷺ قال: أیما عبد تزوج بغیر إذن سیدہ فهو عاهر“ (۲)۔

(جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنی

شادی کر لی وہ زانی ہے)۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے:

”قال رسول اللہ ﷺ: لا تزوج المرأة نفسها فإن الزانية التي تزوج

نفسها“ (۳)۔

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت خود سے شادی نہ کرے، کیونکہ وہ عورت

زانیہ ہے جو خود سے اپنی شادی کر لے (اولیاء کی اجازت کے بغیر))۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیاں، خواہ بالغ ہوں، یا نابالغ ان کا نکاح

اولیاء کی اجازت اور مرضی کے بغیر درست نہیں۔

(۱) والصحيح أنه موقوف على ابن عباس، رواه الترمذی، مشكاة: ۲/۲۷۱۔

(۲) رواه الترمذی والبوداؤد والدارمی، مشكاة: ۲/۲۷۱۔

(۳) رواه ابن ماجہ، مشكاة: ۲/۲۷۱۔

اجازت کے عدم وجوب کی روایات:

اب وہ روایات نقل کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں لڑکی اگر بالغہ اور عاقلہ ہو اور اپنی زندگی کا فیصلہ خود کر سکتی ہو تو اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر، یا اس کی منشاء کے خلاف اور جبر و اکراہ کے ساتھ کسی دوسری جگہ شادی کر دینا درست نہیں، خواہ وہ اولیاء کی نظر میں کتنا ہی بہتر رشتہ کیوں نہ ہو، مگر وہ شرعاً اس کے مجاز نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجْلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكَحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، ذَلِكَ يُوَعِّظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ ذَلِكَمَنْ أَرْكَمَ لَكُمْ وَأَطْهَرَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (۱)۔

(اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی اور وہ اپنے عدت کے ایام پوری کر چکیں تو تم ان کو اپنے انہیں سابقہ خاوندوں سے نکاح کرنے سے مت روکو جب دونوں آپس میں خوش گوار ماحول میں اور دستور کے مطابق نکاح کرنے پر رضا مند ہوں، یہ نصیحت ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور اسی میں تمہارے لئے بڑی پاکیزگی اور ستھرائی کی بات ہے، اس بات کو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)۔

”فَإِذَا بَلَغْنَ أَجْلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْلَمُونَ خَبِيرٌ“ (۲)۔

(تو جب پوری کر چکیں وہ اپنی عدت تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ کوئی فیصلہ کریں اپنے حق میں قاعدہ کے مطابق، اور اللہ تعالیٰ اچھی طرح واقف اور باخبر ہے تمہارے کاموں سے جو تم کرتے ہو)۔

”وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا تَنْكَحِ الْأَيْمَ حَتَّى

(۱) سورۃ بقرہ: ۲۳۲۔

(۲) سورۃ بقرہ: ۲۳۳۔

تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا: يا رسول الله! وكيف إذن؟ قال: ان تسكت“ (۱)۔

(ثیبہ کا نکاح اس سے رائے لئے بغیر نہیں کیا جاسکتا ہے، اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، صحابہ نے پوچھا اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ فرمایا: اس کی طرف سے اجازت اس کی خاموشی ہے)۔

”عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها، وفي رواية: الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأمر وإذنها سكوتها، وفي رواية: البكر يستأذنها أبوها في نفسها“ (۲)۔

(بے شوہر والی (ایم) اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے، اور باکرہ سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے گی، اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ثیبہ (شوہر دیدہ) اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے، اور باکرہ سے رائے لی جائے گی، اور اس کی رائے خاموشی ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ باکرہ کے بارے میں اس کے والد اس سے اجازت لیں گے)۔

”عن خنساء بنت خدام أن أباه زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فأتت رسول الله ﷺ فرد نكاحها“ (۳)۔

(خنساء بنت خدام سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی بغیر ان کی اجازت کے کر دی جب کہ وہ ثیبہ تھیں، وہ اس شادی سے خوش نہیں تھیں، لہذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس نکاح کو رد فرمادیا)۔

(۱) مسلم ۵/۲۱۸ ووافقه البخاری، والنسائی عن یحیی بن ابی کثیر۔

(۲) مسلم: باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق ۵/۲۲۰۔

(۳) رواہ البخاری - مشکاة ۲/۲۷۰۔

اس باب سے متعلق روایات پر اصولی بحث:

وہ تمام روایات جن میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ”ولی کی اجازت کے بغیر باکرہ کا نکاح باطل ہے، یا جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کر لیا تو وہ زانیہ ہے“ ان تمام روایات کی سند کی حیثیت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔

حضرت خنساء بنت خذامؓ (۱) والی حدیث جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو رد فرمایا تھا یہ حدیث بھی مرسل ہے اور اس کی روایت ابو سلمہ نے کی ہے۔ فرواہ ابو سلمہ مرسل، اور مرسل روایات علی الاطلاق قابل حجت نہیں ہوتیں (۲)۔

حدیث: ”لا نکاح إلا بولی“ یہ روایت بھی عن ابی اسحاق عن ابی بردة مرسل ہے (یعنی وہ حدیث جس میں سند کا آخری حصہ یعنی تابعی سے اوپر کے راوی کا نام غائب ہو) سفیان ثوری کے بعض تلامذہ نے اسحاق کے واسطے سے اسے مرفوع یعنی (وہ حدیث جو رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہو اور بیچ میں کوئی راوی غائب نہ ہو) ذکر کرنے کی کوشش کی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ عثمان زلیعی کہتے ہیں: ”وأسنده بعض أصحاب سفیان عن أبی إسحاق ولا یصح“، البتہ موصوف عن ابی اسحاق عن ابی بردة عن ابی موسی عن النبی ﷺ والی روایت کو درست اور متصل قرار دیتے ہیں ان کے الفاظ ہیں: ”ورواية هؤلاء الذين رروا عن أبی إسحاق عن أبی بردة عن أبی موسی عن النبی ﷺ “لا نکاح إلا بولی“ عندی أصح“ (۳) اس کی روایت ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے، گویا یہ ثابت شدہ روایت ہے، مگر ضعیف ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ سند میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف کا تذکرہ امام ترمذی نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی دو اور سندیں ہیں:

(۱) بخاری فی الخلیل، احمد فی المسند ۶/۳۶۸۔

(۲) والمرسل ليس بحجة، نصب الراية ۳/۲۳۲۔

(۳) نصب الراية ۳/۲۳۲۔

ایک عن عمرو بن عائشہ جس کی روایت ابن ماجہ نے کی ہے، اس روایت میں ایک راوی حجاج ہے جو ضعیف ہے، دوسری سند عن ہشام بن ابیہ عن عائشہ ہے، اس میں ایک راوی محمد بن یزید بن سنان ہیں اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ دونوں باپ بیٹے ضعیف ہیں (۱)، ابن حجر نے عدی بن الفضل کے واسطے سے نقل کیا ہے اور عدی کو ضعیف گردانا ہے (۲)۔

حدیث: ”لا تزوج المرأة نفسها فان الزانية هي التي تزوج نفسها“ اس کی روایت دارقطنی نے کی ہے اور عن ابی ہریرہ عن النبی ﷺ روایت ہے۔ اس میں دو راوی ہیں، ایک جمیل اور دوسرے مسلم ان دونوں کے بارے میں ابن الجوزی کہتے ہیں: ”و جمیل و مسلم هذان لا يعرفان“ یہ روایت بھی موقوف ہے ”ورواه بحر بن نصر..... عن ابن سيرين عن ابی هريرة موقوفا وهو اشبه“ (۳)۔ اس زمرے کی تقریباً تمام روایات کو ابن الجوزی نے ”أحاديث واهية ضعيفة“ یعنی ضعیف و بے حیثیت کہا ہے (۴)۔

حدیث: ”أئما امرأة نکحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل..... الخ“۔

اس روایت میں ایک راوی عمر بن صبیح ہے جو ضعیف ہے، اس حدیث کی ایک سند حضرت انس کے واسطے سے ہے، ایک حضرت علی کے واسطے سے، دو حضرت ابو ہریرہ کے واسطے سے، ایک حضرت جابر سے اور ان تمام سندوں میں کوئی نہ کوئی ضعف ہے، حضرت ابو ہریرہ والی دونوں سندوں میں سے ایک میں سلیمان بن ارقم جن کو ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے اور دوسرے میں عزرمی ہیں جن کو بخاری، نسائی اور ابن معین نے کمزور قرار دیا ہے، عثمان زیلعی آخر میں لکھتے ہیں: ”وهذه الأحاديث كلها غير محفوظة انتهى“ یعنی یہ تمام حدیثیں غیر محفوظ

(۱) دیکھئے: نصب الراية ۲۳۶/۳۔

(۲) دیکھئے: تلخیص الخیر ۱۶۲/۲۔

(۳) نصب الراية ۲۳۷/۳۔

(۴) حوالہ سابق۔

ہیں (۱)، مستدرک نے اس روایت کو بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے حسن کہا ہے، باوجود اس کے کہ اس روایت پر کلام کیا گیا ہے، صاحب نصب الراية آگے تحریر کرتے ہیں: ”وفيه كلام تقدم، وتقدم ذلك في حديث ابن عباس، وفي حديث جابر، وفي حديث علي، وفي حديث عبد الله بن عمرو بن العاص و كلها معلولة“ یعنی ان سب میں کمزوری ہے (۲)۔

حدیث: ”لا تنكحوا النساء إلا الأكفاء ولا يزوجهن إلا الأولياء ولا مهر دون عشرة دراهم“ یہ حدیث بھی اسی باب سے متعلق ہے۔ اس کی روایت بیہقی نے سنن میں کی ہے، اس کے راوی مبشر بن عبید ہے جو متروک الحدیث ہے اس کے اوپر جھوٹ اور حدیث گھڑنے کا الزام ہے، امام احمد بن حنبل نے ان سے مروی روایات کے متعلق کہا ہے: ”أحاديث مبشر بن عبيد موضوعة كذب“ یعنی ان کی روایات موضوع ہیں (۳)۔

یہاں سے یہ شبہ کہ اولیاء کو ثیبہ پر کسی جبر کا اختیار نہیں لیکن باکرہ پر ہے ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ بیہقی کی وہ روایت جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے، اس میں بصراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے ثیبہ اور باکرہ دونوں کا نکاح ان کی مرضی کے خلاف کئے جانے کو رد فرمایا: عن ابن عباس أن النبي ﷺ رد نكاح بكر وثيب أنكحهما أبوهما وهما كارهتان فرد النبي ﷺ نكاحهما“ (۴)۔

مذکورہ تشریحات سے یہ بات تو ثابت ہو ہی جاتی ہے کہ اس باب کی تمام روایات متکلم فیہ یا مرسل، یا ضعیف ہیں یا ان میں کوئی نہ کوئی فنی کمی ہے، اس لئے مسائل کے استنباط میں علماء اور مجتہدین کو اسے پیش نظر ضرور رکھنا چاہئے۔

(۱) نصب الراية ۲۴۵۔

(۲) حوالہ سابق ۲۴۶۔

(۳) حوالہ سابق ۲۴۸۔

(۴) بیہقی ۳/۲۳۳ حدیث نمبر ۴۸۔ بحوالہ نصب الراية ۳/۲۴۱۔

ائمہ کے نقاط نظر:

مذکورہ بالا نصوص اور آیات و احادیث سے اتنا تو واضح ہے کہ روایات دونوں طرح کی ہیں اور اسی وجہ سے فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے ہے کہ ولی کی اجازت اور رضامندی شرط ہے، عاقلہ بالغہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے شادی نہیں کر سکتی، اور اگر کر لیا تو نکاح درست نہیں ہوگا، خواہ ثیبہ ہو، یا باکرہ، چنانچہ علامہ نووی "شرح مسلم" میں لکھتے ہیں:

"واختلف العلماء في اشتراط الولي، فقال مالك والشافعي: يشترط ولا يصح نكاح إلا بولي، وقال أبو حنيفة رحمه الله: لا يشترط في الثيب ولا في البكر البالغة، بل لها أن تزوج نفسها بغير إذن وليها" (۱)۔

(نکاح میں اولیاء کے شرط قرار دیئے جانے کی بابت علماء کے درمیان اختلاف ہے، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ولی کا ہونا شرط ہے، اور نکاح ولی کے بغیر درست نہیں، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہ تو ثیبہ کے نکاح میں ولی کا ہونا شرط ہے، اور نہ باکرہ بالغہ کے، اسے پورا اختیار ہے کہ وہ ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کر لے)۔

اور "ہدایہ" میں ہے:

"ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح خلافا للشافعي رحمه الله له الاعتبار بالصغيرة، وهذا، لأنها جاهلة بأمر النكاح لعدم التجربة، ولهذا يقبض الأب صداقها بغير أمرها، ولنا أنها حرة مخاطبة فلا يكون للغير عليها ولاية، والولاية على الصغيرة لقصور عقلها، وقد كمل بالبلوغ بدليل

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۴۵۵، طبع مختار اینڈ کمپنی سہارنپور۔

توجه الخطاب، فصار كالغلام و كالتصرف في المال، وإنما يملك الأب قبض
الصداق برضاها دلالة، ولهذا لا يملك مع نهيها“ (۱)۔

(ولی کے لئے باکرہ بالغہ پر نکاح میں جبر کرنا جائز نہیں، اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے، وہ باکرہ بالغہ کو صغیرہ پر قیاس کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ وہ عدم تجربہ کی بنا پر نکاح کے معاملات سے ناواقف ہوتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ولی اپنی صغیرہ بچی کا مہر اس کی اجازت کے بغیر بھی لے سکتا ہے۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ چونکہ آزاد ہے، اور براہ راست شریعت کی مخاطب ہے، لہذا اولیاء کو اس پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہوگی، اور جہاں تک صغیرہ پر ولایت کا تعلق ہے تو وہ صرف عقل و شعور کی کمی کی وجہ سے ہے، اور یہ کمی بالغ ہونے سے پوری ہو جاتی ہے، جس کی دلیل اس کا احکام کا مخاطب اور مکلف ہونا ہے، لہذا وہ ایسے ہی ہوگی، جیسے لڑکا کہ اس کو اپنے اوپر تصرف کا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور جس طرح اپنے مال میں وہ پوری طرح تصرف کی حقدار ہے (اپنے نفس پر بھی حقدار ہوگی)۔ اور جہاں تک باپ کے مہر وصول کرنے کے اختیار کا تعلق ہے، تو وہ اس کی رضا مندی اور اشارہ کی بنیاد پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر وہ اپنے والد کو مہر وصول کرنے سے منع کر دے تو وہ وصول نہیں کر سکتا)۔

ترجیح:

اس باب میں چونکہ روایات دونوں طرح کی ہیں جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا، اس لئے بظاہر یہ وقت محسوس ہوتی ہے کہ کس پر عمل کیا جائے، یا کوئی ایسی راہ اختیار کی جائے جس میں دونوں پر عمل ممکن ہو سکے، لہذا اس کے لئے ترجیح و تطبیق کا راستہ ہی اختیار کیا جانا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، تاکہ روایات کی بے جاتاویں اور نقد و تبصرہ سے بچا جاسکے۔

(۱) الہدایۃ مع الفتح ۳، ۲۵۱-۲۵۶۔

امام شافعی کا اس باب میں اگرچہ اختلاف منقول ہے مگر خود شافعیہ کے یہاں اس پر عمل نہیں ہے، اور نووی اور قاضی عیاض کی رائے اس سے مختلف ہے، اور جہاں تک ثبوت حق کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ حق اولیاء کے بھی ہیں، اور عاقلہ کے بھی ہیں، البتہ دیکھنا یہ ہے کہ شرعاً اس کا حق مقدم ہے؟ اس بارے میں نووی لکھتے ہیں:

”ان لفظہ ”أحق“ هنا مشاركة، معناه أن لها في نفسها في النكاح حقا، ولوليها حقا، وحقها أو كد من حقه، فإنه لو أراد تزويجها كفوا وامتنعت لم تجبر، ولو أرادت أن تتزوج كفواً فامتنع الولي أجبر، فإن أسر زوجها القاضي، فدل على تأكيد حقها“ (۱)۔

(لفظ ”أحق“ یہاں پر دونوں کے حق کو شامل ہے، لہذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ عاقلہ بالغہ کا بھی نکاح میں اپنے اوپر حق ہے اور ولی کا بھی اس پر حق ہے، اور عاقلہ کا حق ولی کے حق پر مقدم اور مؤکد ہے، لہذا ولی اگر اس کی شادی کفو میں کرنا چاہے اور عاقلہ بالغہ انکار کرے تو اس کو اس شادی پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور اگر وہ خود کفو میں شادی کرنا چاہے اور ولی کو اس سے انکار ہو تو ولی کو مجبور کیا جائے گا، اور اگر وہ اپنے انکار پر مصر رہے تو قاضی اس کی شادی کرائے گا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا حق ولی کے حق پر مقدم ہے)۔

اسی لئے فقہاء حنفیہ نے ولایت کی دو قسمیں کی ہیں اور نابالغہ پر ولایت اجبار اور بالغہ عاقلہ پر ولایت استحباب کو ثابت کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمام حنفی لکھتے ہیں:

”والولاية في النكاح نوعان: ولاية ندب واستحباب وهو الولاية على البالغة العاقلة بکرا كانت أو ثيباً.....“ (۲)۔

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۲۵۵۔

(۲) فتح القدر ۳/۱۵۹۔

(نکاح میں ولایت دو طرح کی ہوتی ہے، ولایت استنبالی، اور وہ عاقلہ بالغہ پر ہے،

خواہ شبہ ہو یا باکرہ۔)

اور درمختار میں ہے:

”وہی نوعان: ولایة ندب علی المکلفہ ولو بکرا، وولایة إجبار علی

الصغیرة ولو ثیبا ومعتوہة“ (ولایت کی دو قسم ہے: ندب، یہ مکلفہ پر ہے اگرچہ باکرہ ہو، اور اجبار، یہ صغیرہ پر ہے اگرچہ وہ شبہ ہو اور کم عقل ہو)۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

دونوں طرح کی روایات وائرسا منے رکھا جائے تو تجزیاتی پہلو سے یہ سوال پیدا ہوتا

ہے کہ جب سارے حقوق خود عاقلہ بالغہ کے ہیں اور اولیاء کو کوئی اختیار اس پر نہیں تو پھر ان

روایات کی کیا توجیہ کی جائے گی جن میں اولیاء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، اور جیسا کہ بعض

روایات میں کہا گیا ہے کہ ان کے بغیر نکاح ہی درست نہیں ہے، اس سے تو بظاہر دونوں روایتوں

میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟ واضح رہے کہ اس سلسلہ میں ابن ہمام نے بڑی تفصیل سے کلام کیا

ہے، اور دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش بھی کی ہے، اور جواب بھی دیا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی

ان دو آیات: ”وإذا طلقتم النساء فبلغهن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن

أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف“ (۱) اور ”فإذا بلغن أجلهن فلا جناح

علیکم فیما فعلن فی أنفسهن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر“ (۲) میں یہ بات

کہی گئی ہے کہ محض دفع عار اور سماجی اعتبار سے باعث ننگ ہونے کی بنیاد پر عاقلہ بالغہ اور شبہ ثبانی

شوہر دیدہ عورت کو شرع کے دیئے ہوئے شخصی اور ذاتی حقوق پر عمل کرنے سے روکنے کا اولیاء کو

(۱) سورۃ بقرہ: ۲۳۲۔

(۲) سورۃ بقرہ: ۲۳۳۔

کوئی حق نہیں ہے، اور نہ ان کو یہ اختیار ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف جبر واکراہ کے ذریعہ جہاں چاہیں نکاح کر دیں، یا ان کو اپنا نکاح مرضی کے مطابق کرنے سے روکیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”فإن له أدلة أخرى سمعية هي المعمول عليها، وهي قوله تعالى: ”فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن“ نهى الأولياء عن منعهن من نكاح من أن ينكحن إذا أريد بالنكاح العقد، هذا بعد تسليم كون الخطاب للأولياء، وإلا فقد قيل للأزواج: فإن الخطاب معهم في أول الآية: ”وإذا طلقتم النساء فلا تعضلوهن“ ای لا تمنعهن حسا بعد انقضاء العدة أن يتزوجن“ (۱)۔

(جولوگ اجبار کے قائل نہیں ان کے پاس دوسری بھی سماعی اور نقلی دلیلیں ہیں جو ان کے دلائل کو مزید معتمد بناتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن“ اس میں اولیاء کو عاقلہ بالغہ کے اپنے نکاح سے روکنے سے منع کیا گیا ہے، جب وہ شادی کرنا چاہیں، اور یہ بھی اس بات کے تسلیم کر لینے کے بعد کہ اس آیت میں خطاب اولیاء کو کیا گیا ہے، کیونکہ شوہروں کو تو پہلی آیت میں مخاطب کیا ہی گیا ہے: ”فلا جناح علیکم فیما فعلن الح“ (جب تم عورتوں کو طلاق دے دو تو ان کو عدت کے بعد حسی طور پر اور قید کر کے نکاح سے نہ روکو)۔

اسی طرح دونوں روایت کے تعارض سے متعلق لکھتے ہیں:

”وأما الحديث المذكور وما بمعناه من الأحاديث فمعارضة بقوله ^{سنة} الأئمة: أحق بنفسها من وليها، رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي ومالك في الموطأ، والأئمة لازوج لها بکرا كانت أوثیبا، وجه الاستدلال أنه أثبت لكل منها ومن الولی حقا فی ضمن قوله ”أحق“، ومعلوم أنه ليس للولی

(۱) فتح القدر ۳/۲۵۰۔

سوی مباشرة العقد إذا رضيت، وقد جعلها أحق منه به، فبعد هذا إما أن يجرى بين هذا الحديث وما رواه الحاكم المعارضة وال ترجيح، أو طريقة الجمع فعلى الأول يترجح هذا بقوة السند وعدم الاختلاف في صحته بخلاف الحديثين - فإنهما ضعيفان فحديث "لا نكاح إلا بولي" مضطرب في أسناده في وصله وانقطاعه وإرساله - قال الترمذی : هذا حديث فيه اختلاف" (۱)۔

(مذکورہ حدیث اور ان کے ہم معنی روایات رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد: الا یہ احق بنفسها من وليها" سے معارض ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ "أحق" کے ضمن میں ولی کے لئے بھی حق ثابت کیا گیا ہے اور "ایامی" کے لئے بھی، حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ اولیاء کے لئے صرف یہ حق ہے کہ جب وہ (عاقلاً) کسی نکاح پر راضی ہو تو وہ ان کا نکاح کر دیں، گویا اس نے رضامندی کے بعد ولی کو عقد کا حق سونپا ہے، اس تفصیل کے بعد یا تو اس حدیث اور وہ روایت جسے حاکم نے کی ہے، کے درمیان معارضہ اور ترجیح کو باقی رکھا جائے، یا پھر دونوں میں تطبیق کا راستہ تلاش کیا جائے، لہذا پہلی صورت میں سند کی قوت اور اس کی صحت میں عدم اختلاف کی بنیاد پر اس کو ترجیح دی جائے گی، بخلاف اولیاء کی شرط والی دونوں حدیثوں کے، کیونکہ وہ دونوں ضعیف ہیں، حدیث "لا نكاح إلا بولي" کی سند میں اتصال، انقطاع اور ارسال کے سلسلہ میں اضطراب پایا جاتا ہے، اور ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اختلاف ہے)۔

خلاصہ:

مذکورہ بالا تمام تفصیلات اور نصوص، نیز تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر اولیاء کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے، بلکہ ولایت استحباب ہے، اور جن روایات میں اولیاء

(۱) فتح القدر ۳/۲۵۰۔

کی اجازت کے بغیر نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے، یا اجازت کی بات کہی گئی ہے وہ استحباب کے طور پر ہے، نہ کہ وجوب کے، لہذا کوئی شخص اگر لڑکی کی شادی جبراً کفو، یا غیر کفو میں اپنی پسند سے کر دیتا ہے اور لڑکی اسے ناپسند کرتی ہے تو لڑکی کو قاضی کی عدالت میں اپنا نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا، یا نکاح کے وقت ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا کہ شرم و حیا اور حالات کے جبر کی بنیاد پر کچھ بول نہ سکی یا ہاں کہہ دیا اور نکاح ہو گیا تو نکاح تو منعقد ہو جائے گا، البتہ اسے بعدالت قاضی فسخ کرانے کا اختیار ہوگا، اس طرح کا ماحول بنا کر جبراً شادی کرنے کا اولیاء کو شرعی نقطہ نظر سے کوئی حق حاصل نہیں، ولی خواہ باپ ہی کیوں نہ ہو۔

البتہ لڑکی کو چاہئے کہ اپنی پسند کی بابت اپنے والدین اور اولیاء کو بتائے، اور اگر کوئی رشتہ پسند ہو تو اولیاء کو اپنا معاملہ اخلاقی طور پر سپرد کرے تاکہ لوگ معاشرے میں اسے گری نظروں سے نہ دیکھیں، فقہاء نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے: ”یستحب للمرأة تفویض أمرها إلى وليها كمنسب إلى الوقاحة“ (عورت کے لئے بہتر بات یہ ہے کہ وہ اپنا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کر دے تاکہ لوگ اسے بے حیائی کی طرف منسوب نہ کریں)۔

جبری شادی

مولانا عبدالاحد تاراپوری
دارالعلوم گجرات

۱- عاقلہ بالغہ لڑکی نکاح میں خود مختار ہے، اسے کوئی بھی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا اور اس کی اجازت کے بغیر کسی نے اس کی طرف سے نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح درست نہیں ہے، غرض یہ کہ عاقلہ بالغہ جب تک خود قبول نہ کرے یا کسی کو اپنا وکیل نہ بنائے اس وقت تک اس کا نکاح صحیح نہیں ہے، اس کی رضا کے بغیر اس کے والدین کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

”الایم أحق بنفسها من ولیها“^(۱) (شوہر دیدہ عورت اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہے)۔

حدیث: ”ثلاث جد هن جد وهن لهن جد“ (تین امور میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور مذاق کرنا بھی سنجیدگی ہے) کے پیش نظر اگر لڑکی نے زدوکوب کے ڈر سے یا نفسیاتی دباؤ میں آ کر یا سپورٹ ضائع کرنے کی دھمکی سے بچنے کے لئے رضا مندی ظاہر کر دی جب کہ دل سے اس نکاح پر راضی نہیں ہے تو اس کا نکاح ہو جانا چاہئے۔

۲- قاضی یا شرعی کونسل اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں، اس کی دلیل ایک حدیث شریف ہے:

(۱) مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، موطا۔

”عن خنساء بنت خدام أن أبها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فأتت رسول الله ﷺ فردّ نكاحها“ (حضرت خنساء بنت خدام انصاریہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ ثیبہ تھیں، تو انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، چنانچہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے ان کا نکاح رد کر دیا) اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے ”نکاح ابیہا“ (آپ ﷺ نے ان کے والد کے کئے ہوئے نکاح کو رد کر دیا)۔

فقہاء کرام نے کفالت کا اعتبار چار چیزوں میں کیا ہے: ۱- نسب، ۲- دین، ۳- مال، ۴- پیشہ، لہذا برطانیہ کے ماحول میں رہنے والی لڑکی اور ہندوستان میں پرورش پانے والے لڑکے کے درمیان جو معاشرتی فرق ہے، اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس بنیاد پر اگر لڑکی یہ دعویٰ کرے کہ میرا نکاح کفو میں نہیں ہوا اور اس بنا پر مجھے تفریق کا حق حاصل ہے تو اسے اس طرح کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

جبری شادی

مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی
جامعہ خیر العلوم، نور محل روڈ، بہو پال

- ۱- ایسا نکاح جائز نہیں ہے^(۱)۔
- ۲- ولی اگر دھوکہ دے کر نکاح کر دے تو حقیقت کی خبر ہونے پر عاقلہ بالغہ اس نکاح کو رد کر سکتی ہے^(۲)۔

نکاح کے سلسلے میں عاقلہ بالغہ کی رضا مندی کے متعلق ولی کا قول معتبر نہیں:

”ولا یقبل علیہا قول ولیہا بالرضاء، لأنه یقر علیہا بثبوت الملک للنزوح، وإقرارہ علیہا بالنکاح بعد بلوغہا غیر صحیح“^(۳) (اس کے خلاف اس کی رضا مندی کے بارے میں اس کے ولی کا قول قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کے خلاف شوبہ کے لئے ثبوت ملک کا اقرار کر رہا ہے، اور اس کے بلوغ کے بعد اس کے خلاف اس کا اقرار صحیح نہیں ہے)۔

- ۳- زوج اور زوجہ کے درمیان کفایت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے بالغ لڑکی کو تفریق کرانے کا حق حاصل رہے گا۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۸۸۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۸۸۔

(۳) فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۸۹۔

”لو شرطت الكفاءة بقى حقها(شامی)تعتبر الكفاءة للزوم النكاح
 ای علی ظاہر الروایة ولصحته علی روایة الحسن المختارة للفتویٰ“^(۱) (اگر
 کفایت کی شرط لگائی گئی تو عورت کا حق باقی رہے گا (شامی) کفایت کا اعتبار ہوگا، لزوم نکاح کے
 لئے یعنی ظاہر الروایہ کے مطابق اور صحت نکاح کے لئے حسن کی روایت کے مطابق جو فتویٰ کے
 لئے مختار ہے)۔

بالغ لڑکی کو تفریق کا حق حاصل رہے گا۔

۴- زن و شوئی کے تعلقات لڑکی کو مجبور کر کے قائم کئے ہیں تو نکاح کو رد کرنے کا بالغ لڑکی کا
 قول معتبر ہوگا^(۲)۔

۵- قاضی یا شرعی کونسل کو عاقلہ بالغہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر مان کر نکاح فسخ کرنے کا
 اختیار ہے۔

(۱) شامی ۲/۳۱۸۔

(۲) شامی ۲/۳۰۲۔

جبری نکاح کی شرعی حیثیت

مولانا محمد ابو بکر قاسمی
شکر پور بھروارہ، درجہ پنڈہ

۱۔ بحالت اکراہ نکاح کی اجازت کا شرعی حکم:

اس صورت میں اس کا نکاح شرعاً منعقد و نافذ ہو جائے گا۔

”وإن أكره على النكاح جاز العقد“^(۱) (اگر نکاح پر مجبور کیا گیا تو عقد

نافذ مانا جائے گا)۔

اسی طرح فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”وإذا أكرهت المرأة على النكاح ففعلت فإنه يجوز العقد ولا ضمان

على المكره“^(۲) (جب کسی عورت کو نکاح پر مجبور کیا گیا اور اس نے نکاح کر لیا تو عقد جائز

ہو گیا اور مجبور کرنے والے پر کسی بھی حال میں تاوان نہیں ہے)۔

کون نہیں جانتا کہ مذہب اسلام کو قبول کرنے کے لئے اکراہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ

ارشاد خداوندی ہے: ”لا إكراه في الدين“^(۳) تاہم حالت اکراہ کے اسلام کو بھی حضرات

(۱) الجوهرة النيرة، الجزء الثاني من المجلد الثاني ص ۱۳۰۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۹۳۔

(۳) سورة بقرہ ۲۵۶۔

فقہاء نے معتبر مانا ہے (۱)۔

بِحالت اِکراه اسلام قبول کرنے ہی کی طرح بحالت اِکراه نکاح کے اذن کو سمجھنا چاہئے۔ ایک حدیث نبوی میں صاف صراحت موجود ہے:

”ثلاث جدهن جد وهزلهن جد : النکاح والطلاق والرجعة“ (۲) (تین چیزیں بالقصد اور پختگی کے ساتھ ہوں یا مذاق کے ساتھ ہوں انہیں بالقصد ہی مانا جائے گا، نکاح، طلاق اور رجعت)۔

اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نکاح و طلاق اور رجعت کے معاملہ کو مذہب اسلام نے ہر حال میں یہاں تک کہ حالت اِکراه میں بھی معتبر مانا ہے، کیونکہ نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے جس کا تکلم زبان سے کیا جاتا ہے، اس لئے زبانی اذن کے سبب جبری نکاح بھی شرعاً معتبر تسلیم کیا جائے گا (۳)۔

۲۔ بحالت اِکراه نکاح کی زبانی تحریری اجازت کا حکم:

اگر زبانی اجازت کے بجائے زبردستی اس سے تحریر لکھوا کر دستخط کروا لیا گیا، اور بحالت اِکراه ہی تحریری اجازت نامہ حاصل کیا گیا مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تو شرعاً حالت اِکراه کی اس تحریر کو حقیقی اذن و رضا نہیں مانا جائے گا اور اس حالت میں کیا ہوا نکاح شرعاً معتبر نہ ہوگا (۴)۔

(۱) الجوهرة النيرة، کتاب الاکراه ۳/۱۳۰۔

(۲) ابوداؤد ۱/۲۹۸، ابن ماجہ ۱/۱۳۸، مشکاة ۲/۲۸۳، ترمذی ۱/۱۳۲، شرح معانی الآثار ۲/۵۷۔

(۳) الموسوعة الفقهية ۲۲/۲۳۳۔

(۴) رد المحتار ۲/۱۵۷، فتاویٰ خانیه علی ہامش الہندیہ ۱/۳۷۲، قواعد الفقہ، قاعدہ ۲۵۵ ص ۱۰۷۔

۳- عورت کے ولی کے غیر کفو مرد سے بحالت اکراه شادی کر دینے کے دعویٰ کی بنیاد پر فسخ نکاح کی شرعی حیثیت:

اگر برطانیہ کے ماحول میں رہنے والی لڑکی کی ہندوستان میں پرورش پانے والے لڑکے سے دباؤ ڈال کر شادی کر دی جائے پھر شادی کے بعد دونوں ملک کے طرز رہائش، طور و طریق، معاشرت و مزاج اور زبان کے فرق کے سبب لڑکی شوہر کو اپنے لئے بے جوڑ پا کر قاضی کی عدالت میں یا شرعی پنچائت میں فسخ نکاح کا مطالبہ کرے تو شرعاً عورت کا یہ مطالبہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرات فقہاء نے مذکورہ امور میں کفایت کا اعتبار نہیں کیا ہے، البتہ اگر واقعہ شوہر غیر کفو ہو، مثلاً فاسق ہو، فقیر ہو، بالکل ہی ادنیٰ پیشہ والا ہو، یا نسبی اعتبار سے بے جوڑ ہو تو عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہوگا، اور قاضی ان صورتوں میں نکاح فسخ کر دے گا، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”وَأَمَّا إِذَا أُكْرِهَتْ عَلَى أَنْ تَزُوجَ نَفْسَهَا مِنْ غَيْرِ الْكُفْوَاءِ أَوْ بِأَقْلٍ مِنْ مَهْرِ الْمَثَلِ ثُمَّ زَالِ الْإِكْرَاهُ فَلَهَا الْخِيَارُ، كَذَا فِي الْمَحِيطِ“^(۱) (جب کسی عورت کو غیر کفو مرد یا مہر مثلاً سے کم مہر پر نکاح کرنے پر مجبور کیا گیا تو اکراه کے ختم ہونے کے بعد عورت کو اختیار ہوگا)۔

۴- بحالت اکراه بے جوڑ شوہر سے شادی ہونے کی صورت میں عورت کو حق تفریق حاصل ہونے میں تفصیل:

اگر جبری شادی ہونے کے بعد عورت نے خود کو شوہر کے حوالہ کر دیا، یا شوہر سے اس نے مہر کی رقم کا مطالبہ کر دیا تو یہ شرعاً رضا مندی ہے، اور اس رضا مندی کے بعد عورت کو مہر مسمی

(۱) فتاویٰ ہندیہ ۱/۳۹۷۔

ملے گا اور اسے شرعاً فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا، چنانچہ ”السراج الوہاج“ کے حوالہ سے فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”إذا مكنت الزوج بعد ما زوجها الولي فهو رضا وكذا لو طالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا“^(۱) (جب عورت نے ولی کے شادی کر دینے کے بعد اپنے اوپر شوہر کو قدرت دے دی اسی طرح نکاح کے علم کے بعد عورت نے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر دیا تو یہ شرعاً رضا مندی ہے)۔

ہاں اگر عورت نے بخوشی شوہر کو اپنے اوپر قدرت نہ دی ہو بلکہ شوہر نے زبردستی اس سے وطی کر لی ہو تو عورت کے لئے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق باقی رہے گا^(۲)۔ اسی طرح زوجین میں زن و شوقی کے تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں تب بھی عورت کو شوہر کے غیر کفو ہونے کے صورت میں فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا، اور دخول سے پہلے نکاح فسخ ہونے کی صورت میں عورت کو مہر کی رقم میں سے کچھ نہیں ملے گا^(۳)۔

اور اگر عورت کے اولیاء نے کسی عورت کا نکاح مہر مثل پر کفو مرد سے زبردستی کر دیا ہو تو ایسی صورت میں عورت کو ہرگز ہرگز فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا۔

”وإذا أكرهت المرأة على أن تزوج نفسها عن كفاء بمهر المثل ثم زال الإكراه فلا خيار لها“^(۴) (جب عورت کو مہر مثل پر کفو سے شادی کرنے پر مجبور کیا گیا تو ازالہ اکراہ کے بعد عورت کو اختیار فسخ حاصل نہ ہوگا۔

(۱) فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۷۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

۵۔ بحالت اکراہ منعقد ہونے والی شادی کا اگر قاضی کو علم ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

محض جبر و اکراہ کی بنیاد پر قاضی نکاح کو فسخ نہیں کر سکتا، ہاں اگر ولی نے غیر کفو مرد سے اور مہر مثل سے کم پر بحالت اکراہ بے جوڑ نکاح کر دیا ہو اور نکاح کے بعد برضا و رغبت میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں یا تعلقات قائم ہو گئے ہوں مگر عورت نے خوشی سے شوہر کو اپنے اوپر قدرت نہ دی ہو بلکہ مرد نے زبردستی وطی کی ہو تو ان صورتوں میں قاضی یا شرعی کونسل عورت کے فسخ نکاح کے مطالبہ کے بعد نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، ورنہ نہیں، اور عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق بچہ کی ولادت سے پہلے تک رہے گا^(۱)۔

(۱) الموسوعۃ الفقہیہ ۳۳/۲۸۳۔

جبری شادی

مولانا محمد اقبال قاسمی
مدرسہ اسلامیہ، شکر پور بھروارہ در بھنگہ

عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح:

شریعت میں عقل اور بلوغ پر احکام اصلیہ اور فرعیہ کا مدار ہے، جب تک یہ دونوں چیزیں انسان میں موجود نہ ہوں وہ احکامہ کا مکلف نہیں ہوتا، اسی لئے بچہ اور مجنون غیر مکلف ہیں، اور جب آدمی عاقل، بالغ ہو جائے تو وہ احکام شرع کا مکلف ہو جاتا ہے، مرد ہو یا عورت، اور بندہ مجبور محض نہیں ہے، اس لئے احکام شرع پر عمل کرنے کی صورت میں ثواب کا اور عمل نہ کرنے کی صورت میں عذاب کا مستحق ہوتا ہے، اور جب مجبور محض نہیں ہے تو اس کو کسی کام پر مجبور کرنا اور اس پر دباؤ ڈالنا یا زد و کوب کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، ارشاد خداوندی ہے:

”إنا هدیناہ السبیل إما شاکرا و إما کفورا“^(۱)۔

(ہم نے انسان کو راستہ بتا دیا، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکر)۔
لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بالکل آزاد ہے، وہ جو چاہے کرے، اور جیسی چاہے زندگی گزارے بلکہ اس کو ایک قانون دیا گیا ہے، اسی قانون میں شادی اور نکاح ہے،

(۱) سورۃ ہود: ۳۔

شادی اور نکاح کے جو اصول و ضوابط ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ زوجین کے مابین توافق، ہم آہنگی اور مؤدّت و محبت تا حیات برقرار رہے، اسی مقصد کے پیش نظر جہاں عورت کو جب وہ عاقلہ بالغہ ہو جائے اپنے اختیار اور رضا و رغبت سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کے پسند کردہ شوہر سے نکاح کو شریعت نے نافذ مانا ہے:

”وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي“^(۱)۔

(آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی رضا مندی سے منعقد ہو جاتا ہے، اگرچہ ولی نے منعقد نہ کرایا ہو)۔

اور اولیاء پر پابندی لگا دی ہے کہ وہ اس کو نکاح پر مجبور نہ کریں:

”ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح“^(۲)۔

(بالغہ بکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور کرنا ولی کے لئے جائز نہیں ہے)۔

وہیں عورت پر یہ پابندی بھی لگا دی ہے کہ وہ اپنی شادی غیر کفو میں نہ کرے، اگر کریتی

ہے تو حسن بن زیاد کے قول کے مطابق نکاح درست نہیں ہوگا اور جمہور کے قول کے مطابق نکاح لازم نہیں ہوگا اور اولیاء کو اختیار ہے کہ وہ قاضی شریعت سے نکاح کو ختم کروالے۔

”عدم کفایت کے وقت ولی کے لئے نکاح فسخ کرانا جائز ہے، اور یہ ہنئی بن

ظاہر الروایۃ پر کہ عقیدت صحیح ہے اور ولی کو حق اعتراض حاصل ہے، اور حضرت حسن کی روایت کے مطابق عقیدت صحیح نہیں ہے، اور یہی قول فتویٰ کے لئے پسندیدہ ہے“^(۳)۔

اور عورت چونکہ ناقص العقل ہوتی ہے وہ نکاح کے نشیب و فراز اور اس کے مصاحبت

(۱) ہدایہ ۲/۳۱۳۔

(۲) ہدایہ ۲/۳۱۴۔

(۳) رد المحتار ۲/۳۴۴۔

واقف نہیں ہوتی، اس لئے عورت کے لئے عاقلہ بالغہ ہونے کے باوجود مستحب یہی قرار دیا گیا ہے کہ وہ خود سے اپنا نکاح نہ کرے بلکہ نکاح کے معاملہ کو ولی کے سپرد کر دے:

”يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كيلا تنسب إلى الوقاحة“^(۱)۔

(عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے معاملہ کو اپنے ولی کے سپرد کر دے تاکہ اس کی طرف بے حیائی منسوب نہ ہو)۔

جب شریعت نے عورت کے عاقلہ بالغہ ہونے کی حالت میں اس کے لئے ہونے نکاح و جائز اور درست مانا ہے اور اسے خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کے لئے مستحب یہی قرار دیا ہے کہ وہ نکاح خود سے نہ کرے بلکہ ولی سے کرائے تو اب ولی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ لڑکی کا نکاح اس کے مناسب لڑکے سے کرائے، کسی ایسے لڑکے کا انتخاب نہ کرے جو لڑکی کے میل اور جوڑ کا نہ ہو، جب لڑکی کا نکاح اس کے مناسب لڑکے سے ہوگا تو ایسی صورت میں لڑکی اور ولی دونوں کی رضا مندی پائی جائے گی اور نکاح لازم ہوگا، اور یہ مناسب نہیں ہے کہ بے جوڑ لڑکے سے اس کو نکاح پر بیجا مجبور کرے، اور لڑکی کو ڈرا دھمکا کر یا زد و کوب کر کے یا نفسیاتی دباؤ ڈال کر کے نکاح کرادے حالانکہ وہ لڑکی اس سے نکاح کرنے کے لئے بالکل آمادہ نہ ہو، کیونکہ ولی کی ولایت کا مقصد یہ ہے کہ صحیح جگہ نکاح ہو ورنہ اس طرح بے جوڑ شادی تو وہ خود بھی کر سکتی تھی لیکن اگر ولی اس کا رشتہ اس کے میل اور کفو میں کرائے یا غیر کفو میں کرائے اور لڑکی زبان سے ہاں نہ کہے تو اس صورت میں نکاح ہی درست نہ ہوگا، ردالمحتار میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

”ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت“^(۲) (ولی کو حق نہیں ہے مگر عقد

کو انجام دینا جب کہ وہ راضی ہو)۔

(۱) ردالمحتار ۲/۳۲۱۔

(۲) ردالمحتار ۲/۳۲۲۔

اور اگر ولی نے لڑکی کو ڈرا دھمکا کر یا زد و کوب کر کے یا نفسیاتی دباؤ میں لائے یا غیر ملکی لڑکی کو پاسپورٹ ضائع کر دینے کی سخت دھمکی دے کر اس سے نکاح کے لئے ہاں کہلوایا جب کہ دل سے وہ اس پر راضی نہیں ہے اور اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح شرعاً درست ہے:

”وإذا أكرهت المرأة على النكاح ففعلت فإنه يجوز العقد“^(۱)۔

(جب عورت کو نکاح پر مجبور کیا گیا اور اس نے کر لیا تو بلاشبہ عقد درست ہے)۔

اور یہ صورت رضامندی میں شامل نہیں ہوگی، کیونکہ لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں ہے، اس نے تو ولی کے دباؤ میں آ کر نکاح کی اجازت دی ہے۔ رضامندی کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ خوش ہو کر قبول کرے، دباؤ میں آ کر نہیں، چنانچہ مفتی عمیم الاحسان صاحب مجددی ”التعریفات الفقہیہ“ میں رضا کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

”الرضاء الاختیار والقبول وهو اسم من رضی ضد سخط“^(۲)۔

(رضائے معنی پسند کرنا اور قبول کرنا اور یہ رضی کا اسم ہے جو سخط بمعنی ناراضگی کے ضد

ہے)۔

ہاں یہ جبر و اکراہ ہے، کیونکہ اس کو دھمکی دے کر ہاں کہنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، اور اکراہ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ کسی شخص کو بغیر اس کی رضامندی کے دھمکی دے کر کسی کام پر مجبور کیا جائے۔

”الإكراه هو إجبار أحد على أن يعمل عملاً بغير حق من دون رضاه

بالإخافة“^(۳)۔

(اکراہ کسی شخص کو ناحق بغیر اس کی رضا کے ڈرا کر کسی کام کے کرنے پر مجبور کرنا ہے)۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ، ص ۲۹۴۔

(۲) التعریفات الفقہیہ، ص ۳۰۸۔

(۳) التعریفات الفقہیہ، ص ۱۸۸۔

اور جب اس پر اکراہ کی تعریف صادق آتی ہے تو پھر رضا کی تعریف صادق نہیں آسکتی، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، جیسا کہ لفظ دون رضاہ دلالت کر رہا ہے۔

رضا اور اذن کی حقیقت اور لڑکی سے زبردستی دستخط کرانا:

فقہاء کرام نے عاقلہ بالغہ لڑکی کے جواز نکاح کے لئے اذن کو لازم قرار دیا ہے، رضا اور خوشی کو نہیں، فتاویٰ ہند یہ میں ہے:

”لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بکرا كانت أو ثيباً فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها“^(۱)۔

(کسی شخص کا نکاح بالغہ عاقلہ پر بغیر اس کی اجازت کے نافذ نہیں ہوگا، خواہ باپ ہو یا بادشاہ، لڑکی کنواری ہو یا بیاہی، پس اگر ایسا کیا تو لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا)۔

اور اذن کی حقیقت کسی شی کو نافذ یا جائز قرار دینے کی اطلاع اور رخصت دینا ہے، ”المعجم الوسيط“ میں ہے:

”الإذن الإعلام بإجازة الشيء والرخصة فيه“^(۲)۔

(اذن کسی چیز کو جائز قرار دینے سے باخبر کرنا اور اجازت دینا ہے)۔

اور رضا کی حقیقت ہے کسی چیز کو پسند کرنا، دل سے قبول کرنا، اور اس کی ضد ناراضگی آتی ہے^(۳)۔

اور ان دونوں کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہے، کبھی صرف اذن پایا جائے گا، رضا نہیں جیسے زبان سے کسی شخص کو اپنا کوئی سامان لینے کی اجازت دینا اور دل سے اس پر

(۱) البندیہ ۱/۲۸۷۔

(۲) معجم الوسيط ۱/۱۴۔

(۳) التعريفات الفقہیہ ص ۳۰۸۔

ناپسندیدگی کا اظہار کرنا اور کبھی رضا مندی پائی جائے گی، اذن نہیں جیسے دل سے کسی شخص کو کوئی سامان دینے کے لئے تیار اور آمادہ رہنا لیکن نہ صراحتاً اجازت دینا اور نہ دلالتاً اور کبھی دونوں پائے جائیں گے جیسے بخوشی اجازت دینا، پھر اذن کی دو قسمیں ہیں: ایک صراحتاً اجازت دینا دوسرے دلالتاً اجازت دینا جیسے کنواری لڑکی کی خاموشی بوقت اجازت دلالتاً اذن ہے۔

”وان استأذن الولي البكر البالغة فسكت فذلك إذن منها“^(۱)۔

(اگر ولی نے کنواری بالغہ لڑکی سے اجازت لی اور وہ چپ رہی تو یہ اس کی جانب سے

اجازت ہے)۔

زیر بحث مسئلہ میں جب لڑکی نے ہاں کہہ دیا تو کیسے اس کا مفہوم یہ لیا جائے کہ اس نے

اجازت نہیں دی ہے، اس نے اجازت دی ہے اور وہ بھی زبان سے دی ہے، اگرچہ دلالتاً لڑکی کی

طرف سے اجازت نہیں ہے اور فقہاء اصولیین کے نزدیک صریحی کے مقابلہ میں دلالت کا کوئی

اعتبار نہیں، قواعد الفقہ میں ہے:

”لا عبرة بالدلالة في مقابلة الصريح“^(۲)۔

(صریح کے مقابلہ میں دلالت کا کوئی اعتبار نہیں)۔

دوسری جگہ ہے:

”يسقط اعتبار دلالة الحال إذا جاء التصريح بخلافها“^(۳)۔

لہذا زبردستی ہاں کہلو لینا اذن صریحی ہے اور دستخط کرا لینا اذن صریحی ہے نہ کنائی،

اس لئے پہلی صورت میں نکاح کا انعقاد ہو جائے گا، دوسری صورت میں نہیں۔

(۱) البند یہ ۱، ۲۸۷۔

(۲) قواعد الفقہ (قاعدہ ۲۵۵) مفتی عمیم الاحسان صاحب رص ۱۰۷۔

(۳) قواعد الفقہ (قاعدہ ۴۰۸) رص ۱۴۱۔

لڑکی کی طرف سے عدم کفایت کا دعویٰ:

برطانیہ کے ماحول میں رہنے والی لڑکی اور ہندوستان میں پرورش پانے والے لڑکے کے درمیان اگرچہ معاشرتی فرق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے کفو نہیں ہو سکتے۔ کفو کے لئے شریعت نے جن چیزوں میں برابری کو معتبر مانا ہے، وہ حریت، اسلام، نسب، دیانت و تقویٰ، مالداری اور صنعت و حرفت ہیں، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”الكفاءة تعتبر في أشياء، منها النسب ومنها الإسلام ومنها الحرية ومنها الكفاءة في المال ومنها الديانة ومنها الحرفة“^(۱)۔

(کفایت چند چیزوں میں معتبر ہے، نسب میں، اسلام میں، آزادی میں، مال میں، دیانت میں اور پیشہ میں)۔

اور کچھ فقہاء نے عقل، خاندانی وجاہت اور عیوب سے پاک ہونے کو بھی امور کفایت میں شمار کیا ہے لیکن اصحاب متون نے ان سب کو معتبر نہیں مانا ہے اور صرف امور بالا ہی کو ذکر کیا ہے^(۲)۔

اب اگر والدین یا دیگر اولیاء نے لڑکی کا نکاح ایسے لڑکے سے کرایا ہے جس میں کفایت کے مذکورہ بالا امور موجود ہیں اور لڑکا لڑکی کے جوڑ اور میل کا ہے تو ایسی صورت میں لڑکی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے کہ جس شخص سے میری شادی کی جا رہی ہے وہ میرا کفو نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”وإذا أكرهت المرأة على أن تزوج نفسها من كفاء بمهر المثل ثم زال الإكراه فلا خيار لها“^(۳)۔

(۱) الہندیہ ۱/ ۲۹۰، ۲۹۱، کنز الدقائق علی ہامش، البحر الرائق ۳/ ۱۳۹۔

(۲) البحر الرائق ۳/ ۱۳۳۔

(۳) مالکیہ ۱/ ۲۹۳۔

(جب عورت کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی شادی کفو سے مہر مثل میں کر لے پھر جبر ختم ہو جائے تو عورت کے لئے کوئی اختیار نہیں ہوگا)۔

اور اگر لڑکا لڑکی کا کفو نہیں ہے تو ایسی صورت میں لڑکی عدم کفایت کا دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب موقوف ہے اس پر کہ کفایت عورت کا حق ہے یا ولی کا یا دونوں کا، تو فقہاء کی عبارتیں اس بابت مختلف ہیں، صاحب درمختار لکھتے ہیں:

”والکفائة هي حق الولي لاحقها فلو نكحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لا خيار لها بل للأولياء“^(۱)۔

(کفایت ولی کا حق ہے، عورت کا نہیں، لہذا اگر عورت نے کسی شخص سے نکاح کیا اور اس کا حال نہ جان سکی پھر اچانک معلوم ہوا کہ وہ غلام ہے تو عورت کو کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ اولیاء کو ہے)۔

اس قول کے اعتبار سے جب کفایت عورت کا حق ہے ہی نہیں تو پھر اس کو ولی کے خلاف عدم کفایت کا دعویٰ کرنے کا حق بھی نہیں ہوگا، اور جب حق دعویٰ نہیں تو حق تفریق کہاں سے حاصل ہوگا، لیکن علامہ ابن عابدین شامی کی رائے یہ ہے کہ کفایت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے، دلیل یہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ولی صغیرہ کا نکاح غیر کفو سے کر دے تو یہ درست نہیں ہے^(۲)۔

اور یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ کفایت دونوں کا حق ہے، اس لئے کہ لڑکے کا غیر کفو ہونا جس طرح والدین اور خاندان والے کے لئے شرم و عار کی بات ہے اس سے کہیں زیادہ لڑکی کے لئے عار کا سبب ہے، اسی لئے شریعت نے لڑکی کے لئے لڑکے کا کفو ہونا معتبر قرار دیا ہے، نہ کہ لڑکے کے لئے لڑکی کا کفو ہونا، اور جب کفو عورت کا بھی حق ہے تو غیر کفو سے

(۱) درمختار علی با مش رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴۔

(۲) رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴۔

شادی کرنے کی صورت میں لڑکی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ میری جس شخص سے شادی کی گئی ہے وہ میرا کفو نہیں ہے، اس لئے بر بنائے کفایت مجھے حق تفریق حاصل ہے^(۱)۔

جبری شادی کے بعد زن و شوئی تعلقات:

اس طرح جبری شادی کے بعد اگر میاں بیوی میں زن و شوئی تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور لڑکی نے برضاء و رغبت لڑکے کو اپنے اوپر قدرت دی ہے تو یہ رضا مندی شمار کی جائے گی، اس لئے کہ بخوشی اپنے اوپر قدرت دینا عقد کو جائز قرار دینا ہے۔ اسی طرح اگر لڑکی شادی کے بعد لڑکے سے مہر کا مطالبہ کرے تو وہ بھی رضا مندی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

”و کذا إذا مکنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولي فهو رضا
و کذا لو طالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا کذا فی السراج الوہاج“^(۲)۔

(اسی طرح جب وہ شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے دے بعد اس کے کہ ولی نے اس کی شادی کرائی تھی تو یہ رضا مندی ہے، اسی طرح اگر وہ شادی کے علم کے بعد اپنے مہر کا مطالبہ کرے تو یہ بھی رضا ہے)۔

اور اس صورت میں لڑکی کو حق تفریق حاصل نہیں ہوگا اگرچہ لڑکا غیر کفو ہو۔

”وإن دخل بها طائفة يلزمه المسمى ولا يزاہ عليه ويكون هذا رضا
منها بالنكاح لأن تمكينها من نفسها إجازة للعقد كقولها: رضيت ويسقط
الخياران الثابتان لها: التفریق لعدم الكفاءة وإتمام مهر المثل“^(۳)۔

(اور اگر اس نے عورت سے رضا مندی کے ساتھ دخول کیا تو شوہر پر مہر مسمی لازم ہوگا، اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا اور یہ عورت کی جانب سے نکاح پر رضا مندی ہوگی، اس لئے کہ

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۹۳۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۸۷۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۹۳۔

عورت کا اپنے اوپر قدرت دینا عقد کو جائز قرار دینا ہے جیسے یہ کہنا کہ میں راضی ہوں اور وہ دونوں اختیار ساقط ہو جائیں گے جو عورت کے لئے ثابت تھے، تفریق بر بنائے عدم کفایت اور مہر مثل کی تکیاں)۔

اور اگر لڑکی نے بخوشی وطنی کی اجازت نہیں دی اور اس نے اس سے زبردستی وطنی کر لی تو یہ رضامندی شمار نہیں ہوگی اور لڑکی کو حق تفریق حاصل ہوگا۔

”فإن دخل بها إن كانت مكرهة لزمه مهر المثل، وحق الاعتراض لعدم الكفاءة باق“^(۱)۔

(اگر اس نے اس سے دخول کیا تو اگر زبردستی کیا ہو تو شوہر پر مہر مثل لازم ہو جائے گا اور بر بنائے عدم کفایت حق اعتراض باقی رہے گا)۔

اسی طرح اگر زن و شوئی تعلقات زوجین کے مابین قائم نہیں ہوئے ہیں تو عورت کو عدم کفایت یا مہر کے مہر مثل سے کم ہونے کی بنا پر حق تفریق حاصل ہے، وہ چاہے تو قاضی یا شرعی کونسل کو نکاح و فسخ کرنے کی درخواست دے سکتی ہے جیسا کہ اوپر آچکا ہے^(۲)۔

اگر قاضی یا شرعی کونسل نکاح فسخ کر دے تو شوہر پر نہ مہر مثل لازم ہوگا اور نہ مہر مسکمی، اس لئے کہ تفریق عورت کی جانب سے آئی ہے اور وہ بھی دخول سے پہلے ہے۔

”ولو فرق بينهما قبل الدخول لا يلزمه شئ كذا في السراج الوهاج“^(۳)۔

(اور اگر دونوں میں دخول سے پہلے تفریق ہوگئی تو شوہر پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا)۔
یہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جبکہ شوہر لڑکی کا کفونہ ہو، اور اگر کفو ہے اور مہر مثل

(۱) البندیہ ۱/ ۲۹۴۔

(۲) المحیط بحوالہ الفتاوی البندیہ ۱/ ۲۹۴۔

(۳) البندیہ ۱/ ۲۹۴۔

بے یا مہر پر اس کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر لڑکی کو حق تفریق حاصل نہیں ہے نہ دخول سے پہلے نہ دخول کے بعد^(۱)۔

قاضی شریعت یا شرعی کونسل کا نکاح کو فسخ کرنا:

قاضی یا شرعی کونسل اس نکاح کو محض جبر و اکراہ کی بنیاد پر فسخ نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ جبر و اکراہ اسباب فسخ میں سے نہیں ہے، ہاں لڑکا لڑکی کے میل اور جوڑکانہ ہو اور دونوں کے درمیان شرعی اعتبار سے برابری نہ پائی جاتی ہو یا مہر مثل سے کم ہو اور دونوں میں برضاء و رغبت زن و شوئی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں اگر لڑکی فسخ نکاح کا دعویٰ کرتی ہے تو پھر قاضی یا شرعی کونسل فریقین کے بیانات اور شہادت کے بعد دلائل کی بنیاد پر نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں اور اگر دونوں میں برابری پائی جاتی ہو اور مہر پر لڑکی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو پھر جبر و اکراہ کے باوجود ان کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے۔

(۱) حوالہ سابق۔

جبری شادی

مفتی عبدالرحیم

دارالعلوم مصطفوی، محلہ توحید گنج، بارہ مولہ شہید

۱- عاقلہ بالغہ آزاد عورت کے اختیارات اور حدود فقہاء کی نظر میں:

بالغہ، عقل مند اور آزاد عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر درست ہو جاتا ہے، خواہ وہ کنواری ہو یا غیر کنواری (بیوہ، مطلقہ وغیرہ) یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا مشہور مذہب ہے، اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ ایسی عورت کا نکاح بغیر ولی کے درست نہیں، امام محمد کے نزدیک ولی کی اجازت پر موقوف ہے^(۱)۔

یہاں جو موقف امام محمد کا بیان ہوا ہے بعد میں انہوں نے اس رائے سے رجوع فرما کر وہی قول اختیار کر لیا تھا جو اوپر حضرات شیخین کا بیان ہوا ہے جیسا کہ خود صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح فرمادی ہے، نیز ہدایہ میں ہی آگے چل کر (۳۰۱/۲) پر ”وقد صح ذلك“ سے اس رجوع کی مزید تائید ہوتی ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح ہی درست نہیں (صاحب بدایۃ المجتہد علامہ ابن رشد الحفید مالکی نے ”بدایۃ المجتہد“ میں اس موضوع پر

(۱) ہدایہ ۲/۲۹۳، ۲۹۴۔

تفصیل سے کلام کیا ہے اور فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد مالکی ہونے کے باوجود انہوں نے حنفیہ کے مسلک کی کھل کر تائید کی ہے اور فریق مخالف کی پیش کردہ تمام آیات و روایات کو ان کے دعوے کے لئے ناکافی قرار دیا ہے۔

پوری بحث کے بعد وہ یوں تبصرہ کرتے ہیں:

جو بات دل کو زیادہ لگتی ہے وہ یہ ہے کہ شارع نے (نکاح میں) ولایت کی شرط نہیں لگائی ہے، کیونکہ اگر نبی ﷺ (عاقلاً بالغہ کے لئے) ولایت کی شرط لگاتے تو لازمی طور پر اولیاء کی جنس، ان کی قسمیں اور ان کے مراتب بیان فرماتے، وجہ یہ ہے کہ مسئلہ ولایت عامۃ الورد ہے اور اس قدر کثرت سے پیش آنے والے اہم مسئلہ میں وضاحت طلب چیزوں کی وضاحت میں تاخیر ناقابل فہم ہے اور یہ بات حضور ﷺ کے منصب نبوت کے خلاف ہے اور آپ ﷺ کی شان سے بعید تر، لہذا یہی ماننا پڑے گا کہ دراصل ولایت کی شرط لگانا شارع علیہ السلام کا مقصد ہی نہیں ہے۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ظاہر روایت میں ہے کہ ولی کو اس صورت میں اعتراض (اور فسخ نکاح) کا حق ہوگا جبکہ بالغہ عاقلہ عورت غیر کفو میں نکاح کر لے اور امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہیں، اس لئے کہ بہت سے اولیاء ناپسندیدگی کے باوجود غیر کفو میں نکاح ہونے کی صورت میں متعدد وجوہات کی بنا پر قاضی شرعی کے پاس اعتراض و دعوائے فسخ پیش نہیں کر سکتے اور اگر پیش کر بھی دیں تو قاضی انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے اس کی کوئی ضمانت نہیں۔

اسی وجہ سے اب فتویٰ یہ ہے کہ بے جوڑ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، چنانچہ فقہ حنفی کی مستند کتاب ”مجمع الانہر میں فتاویٰ قاضی خاں سے یہ فتویٰ نقل کیا گیا ہے:

”نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی ولہ الاعتراض فی غیر الکفوۃ وروی

الحسن عن الإمام عدم جوازہ وعلیہ الفتویٰ، پھر مصنف خود فرماتے ہیں: ”وہذا أصح وأحوط والمختار للفتویٰ فی زماننا“^(۱)۔

۲- عاقلہ، بالغہ آزاد لڑکی کا نکاح جبراً کرنا ناجائز ہے:

الف- ”ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح (إلى قوله) ولنا أنها حرة فلا يكون للغير عليه ولاية الاجبار والولاية على الصغيرة لقصور عقلها وقد كمل بالبلوغ بدليل توجه الخطاب“^(۲)۔

(کنواری بالغ لڑکی کے ولی کو شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کرے، کیونکہ یہ بالغہ ہے، آزاد ہے، شرعاً مکلف ہے اور بالغ ہو جانے کی وجہ سے فہم کا وہ قصور اور کمی جس کی وجہ سے اولیاء کو اس پر ولایت اجبار اور بالادستی حاصل تھی اب باقی نہیں رہی جس کا ثبوت یہ ہے کہ اب یہ بالغہ بلا واسطہ احکام خداوندی کی مخاطب و مکلف بن چکی ہے، لہذا کسی کو بھی اس پر جبر کرنے کا اختیار نہیں ہے)۔

” (قوله وهو السنة) بان يقول له قبل النكاح فلان يخطبك أو يذكرک فسکت وإن زوجها بغير استئثار فقد أخطأ السنة وتوقف علی رضاها۔ بحر عن المحيط۔ واستحسن الرحمتي ما ذكره الشافعية من أن السنة في الاستئذان أن يرسل إليها نسوة ثقات ينظرن ما في نفسها والأم بذلك أولى، لأنها تطلع علی ما لا يطلع علیہ غيرها“^(۳)۔

(اور سنت یہ ہے کہ نکاح سے قبل ولی بالغ لڑکی سے باقاعدہ مشورہ کرے اور اس سے

(۱) مجمع الأنهر ۱/۳۳۲۔

(۲) الہدایہ ۲/۲۹۳۔

(۳) شامی ۲/۲۹۸، ۲۹۹ طبع نعمانیہ۔

اجازت لے مثلاً فلاں شخص نے تمہارے لئے نکاح کا پیغام بھیجا ہے یا فلاں شخص تم سے نکاح کرنا چاہتا ہے (وغیرہ) تو اگر یہ سن کر بالغہ خاموش رہے تو یہ نکاح درست ہے، لیکن ولی کا بالغہ سے پوچھے بغیر ہی نکاح کر دینا سنت کے بالکل خلاف ہے اور ایسا نکاح منعقد نہ ہو گا تا آنکہ بالغہ اپنی آزادانہ رضامندی سے اسے قبول نہ کرے، یہ صاحب بحر نے ”المحیط“ سے نقل کیا ہے اور رحمتی نے اس سلسلے میں شافعیہ کا بیان کردہ یہ طریقہ پسند کیا ہے کہ ولی کو چاہئے کہ بالغہ کی آزادانہ رائے و حقیقی رضامندی معلوم کرنے کے لئے چند قابل اعتماد عورتوں کو اس کے پاس بھیج دے، سب سے بہتر اس معاملے میں اس کی والدہ رہے گی، کیونکہ والدہ اس کے تعلق سے بہت سے ان حالات سے بھی یقیناً واقف ہوگی جن کی دوسروں کو ہوا تک نہ لگی ہو، لہذا حال دل کی صحیح ترجمانی و عکاسی بھی کما حقہ والدہ ہی کر پائے گی۔

در مختار ہی میں ہے:

اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور شوہر کے رشتہ دار شوہر کی وراثت سے محروم کرنے کے لئے اس عورت سے یہ کہیں کہ تمہارا نکاح مرحوم سے درست نہیں تھا، لہذا تم اس کی وارث نہیں بن سکتیں، ادھر عورت کا دعویٰ ان کے برعکس ہو اور یہ معاملہ عدالت شرعی تک پہنچ جائے تو قاضی شرعی اس عورت سے سوال کرے گا کہ بتاؤ تمہارا نکاح تمہارے باپ نے تمہاری اجازت سے کیا تھا یا نہیں؟ اس پر اگر عورت جواب میں یہ کہہ دے کہ میرا نکاح میرے باپ نے میری اجازت سے کیا تھا اور شوہر کے رشتہ دار اس کی بات سے انکار کر دیں جب بھی یہ نکاح درست ہی سمجھا جائے گا اور مرحوم کے رشتہ داروں کے برخلاف وہ اپنے شوہر کی وارث قرار پائے گی، نیز عدت و فاقہ گزارے گی، (لیکن اگر عورت کا جواب اس طرح ہو کہ) گو میرا نکاح میرے باپ نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی کر دیا تھا مگر جب مجھے اس کی خبر ملی تو میں اس نکاح پر رضامند ہو گئی تھی، تو اب اس صورت میں قاضی کا فیصلہ اس عورت کے خلاف اور اس کے مخالفین شوہر کے رشتہ داروں کے حق میں جائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ولی نے پہلی صورت میں نکاح سے قبل ہی

بالغہ سے اجازت لی تھی، لہذا بلا کسی شک و شبہ کے وہ نکاح درست قرار دیا گیا لیکن دوسری صورت میں بغیر اجازت جو نکاح ہو اور وہ نکاح کے وقت درست نہیں ہوا البتہ بعد میں اگرچہ بالغہ اپنی رضامندی کا اقرار کر رہی ہے جس کی وجہ سے نکاح درست ہو جاتا ہے مگر چونکہ خاص طور پر یہ جگہ تہمت سے خالی نہیں، لہذا قاضی نکاح کے غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کرے گا^(۱)۔

غور فرمائیے کہ بالغہ کی اجازت پر نکاح کے صحیح اور باطل ہونے کا کس قدر دار و مدار ہے جیسا کہ اس مسئلہ سے واضح ہے۔

۳۔ بالغہ کی اجازت و انکار کی چند صورتیں اور ان کا حکم:

۱۔ ولی نے مسنون طریقے پر از خود بالغہ سے نکاح کی اجازت مانگی مثلاً فلاں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟ یا ولی کے وکیل یا قاصد نے بالغہ سے اجازت لی اور اس نے اپنی فطری شرم و حیا کی وجہ سے بجائے صاف جواب دینے کے خاموشی اختیار کی تو یہ شرعاً اس کی طرف سے اجازت ہے اور یہ نکاح منعقد ہو جائے گا^(۲)۔

۲۔ ولی نے بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا اور بعد میں از خود یا اپنے قاصد کے ذریعہ بالغہ کو اس نکاح کی اطلاع دی جس کو سن کر بالغہ نے حیا کی وجہ سے خاموشی اختیار کی تو نکاح درست ہو گیا^(۳)۔

۳۔ ولی نے بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا اور کسی معتبر آدمی نے بالغہ کو اس نکاح کی خبر دی جس پر اس نے حیا کی خاموشی کو اپنا لیا تو یہ نکاح بھی صحیح ہو گیا^(۴)۔

(۱) در مختار مع رد المحتار ۲/۲۹۹۔

(۲) در مختار علی الشامی ۲/۲۹۸، ۲۹۹۔

(۳) در مختار علی الشامی ۲/۲۹۹۔

(۴) در مختار علی ہاشم الشامی ۲/۲۹۹۔

۴۔ مندرجہ بالا تینوں صورتوں میں بالغہ خاموش نہیں بلکہ جس وقت اس سے اجازت لی جا رہی تھی یا اطلاع دی جا رہی تھی تو وہ ہنس پڑی یا مسکرا نے لگی یا (یا اپنے والدین، بھائی بہنوں اور متعلقین کی جدائی کا تصور کر کے) چپکے چپکے رونے لگی تو ان صورتوں میں بھی نکاح منعقد ہو گیا^(۱)۔

۵۔ ولی نے کسی شخص کا نام و پتہ وغیرہ بیان کر کے بالغہ سے اس کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت مانگی جس پر پہلے تو اس نے نا منظور کر دیا مگر کچھ عرصہ کے بعد (جبکہ اس شخص کے متعلق بالغہ کو مکمل اطمینان ہو چکا تھا) ولی نے بغیر پوچھے اسی سے بالغہ کا نکاح کر دیا اور معلوم ہونے پر اب کی بار شرم کی وجہ سے بالغہ نے خاموشی اختیار کی تو نکاح درست ہو گیا۔ صاحب فتح القدر اور صاحب البحر الرائق کے نزدیک اس صورت میں نکاح درست نہیں لیکن معتبر قول صحت نکاح کا یہ ہے^(۲)۔

۶۔ ولی نے بالغہ کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا اور وہ شرم کی بنا پر خاموش رہی تو نکاح درست ہو گیا بشرطیکہ نکاح کے وقت ہی اپنے ہونے والے شوہر کو پہچان رہی ہو^(۳)۔

اوپر وہ صورتیں ذکر کی گئی ہیں جن میں نکاح درست ہو جاتا ہے، اس کے بعد ان صورتوں کا مع حوالہ ذکر کیا جاتا ہے جن میں نکاح درست نہیں ہوتا۔

۱۔ جس وقت بالغہ سے نکاح کی اجازت مانگی جا رہی تھی اس نے اسی وقت رشتے

(۱) در مختار علی ہامش الشامی ۲/۲۹۹۔

(۲) در مختار مع الشامی ۲/۳۰۰۔

(۳) حوالہ بالا ۲/۳۰۱۔

کو منظور کرنے سے انکار کر دیا مثلاً یہ کہا کہ وہ تو دباغ ہے یا دوسرا شخص اس سے اچھا ہے، وغیرہ وغیرہ تو نکاح ہی درست نہیں ہوا^(۱)۔

۲۔ جب بالغہ سے اجازت لی گئی یا اس کو نکاح کی اطلاع دی گئی تو وہ زور زور سے رونے لگی یا طنز و تمسخر کے انداز پر ہنسنے لگی (جو کہ حاضرین کو محسوس ہو جاتا ہے) تو اس صورت میں بھی نکاح نہیں ہوگا^(۲)۔

۳۔ بالغہ سے نکاح کی اجازت ولی، اس کے وکیل یا اس کے قاصد نے نہیں لی بلکہ کسی اجنبی یا دور دراز کے رشتہ دار یا دوسرے و تیسرے درجہ کے ولی نے حقیقی ولی کی موجودگی کے باوجود نکاح کی اجازت چاہی اور بالغہ خاموش رہی تو نکاح درست نہیں جب تک کہ وہ زبانِ قال یا زبانِ حال سے اس رشتے پر رضا مند نہ ہو، مثلاً صاف صاف قبول یا رد کرے یا زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ مہر طلب کرے یا شوہر کے ساتھ صحبت وغیرہ پر راضی ہو تو ان شرائط کے ساتھ نکاح درست ہو جائے گا^(۳)۔

۴۔ ولی نے بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا اور بالغہ کو اس نکاح کی اطلاع نہ دی گئی تو اس کے وکیل یا قاصد نے اسے مطلع کیا بلکہ کسی غیر معتبر آدمی نے بالغہ کو اس نکاح کی خبر دی اور وہ یہ خبر سن کر خاموش ہو گئی تو اس صورت میں بھی نکاح منعقد نہیں ہوا البتہ درج بالا (۳) میں مندرج شرائط کے ساتھ یہاں بھی نکاح درست ہو جائے گا۔

۵۔ ولی نے بالغہ سے نکاح کی اجازت لیتے وقت نکاح کا نام نہیں لیا نہ بالغہ کو وہ نام سے معلوم ہے تو ایسے وقت بالغہ کے چپ رہنے سے رضا مندی ثابت نہ ہوگی اور اجازت نہ سمجھیں گے بلکہ نام و نشان بتلانا ضروری ہے جس سے بالغہ اتنا سمجھ جائے کہ یہ فلاں شخص ہے،

(۱) درمختار علی الشامی ۲/۲۹۹۔

(۲) درمختار ۲/۱۹۸، ہشتی زیور اختی حاشیہ ۲/۲۸۵۔

(۳) فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۷، اختی زیور حاشیہ ۲/۲۸۶۔

اسی طرح اگر مہر نہیں بتلایا اور مہر مثل سے بہت کم پر نکاح کر دیا تب بھی بالغہ کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہوگا بلکہ اس سے از سر نو اجازت لینا ضروری ہے، فقہاء متاخرین کی رائے یہی ہے اور فتح القدیر میں اسی کو بہتر قرار دیا ہے^(۱)۔

۶۔ اجازت مانگنے پر بالغہ کا رد عمل کچھ ایسا تھا کہ جس میں رضا مندی کا بھی احتمال ہے اور انکار و ناپسند کا بھی تو ایسی صورت میں اس کی طرف سے انکار ہی سمجھا جائے گا اور نکاح منعقد نہ ہوگا^(۲)۔

۷۔ ولی نے کسی شخص کا نام دیتے بتلا کر جب بالغہ سے نکاح کی اجازت چاہی تو اس نے رشتہ رد کر دیا پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ولی نے بالغہ سے پوچھے بغیر ہی اس شخص سے اس کا نکاح کر دیا، جب بالغہ کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے دوبارہ پھر انکار کر دیا یا صرف اتنا کہا کہ ”میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ مجھے فلاں پسند نہیں“ تو ایسا نکاح منعقد نہیں ہوگا حتیٰ کہ اگر بالغہ اس مکرر انکار کے بعد اس رشتے پر رضی بھی ہو جائے جب بھی نکاح درست نہ ہوگا^(۳)۔

۸۔ جب بالغہ سے نکاح کی اجازت لی جا رہی تھی تو اسے کھانسی یا چھینک آنے لگی اور کھانسی و چھینک بند ہوتے ہی اس نے کہا: مجھے یہ رشتہ منظور نہیں یا جس وقت وہ کچھ جواب دینا چاہتی تھی تو زبردستی اس کا منہ بند کر دیا گیا اور جو نبی اس کا منہ آزاد ہوا اس نے فوراً رشتہ نامنظور کر دیا، ان سب صورتوں میں بھی نکاح درست نہیں ہوگا اور بالغہ کے انکار کو درست مانا جائے گا، کیونکہ کھانسی، چھینک یا منہ بند ہوجانے کی وجہ سے بالغہ کی عارضی و جبری خاموشی درحقیقت وہ خاموشی ہی نہیں ہے جس کو شریعت مطہرہ نے اقرار و رضا مندی کا بدل قرار دیا ہے، لہذا اس اختیاری خاموشی اور اس اضطراری سکوت میں فرق لازمی چیز ہے^(۴)۔

(۱) عالمگیری ملخصاً ۱/۳۸۸ حاشیہ بہشتی زیور ملخصاً حصہ ۲۸۵/۴۔

(۲) شامی ۲/۳۰۰۔

(۳) درمختار مع الشامی ۲/۳۰۰۔

(۴) شامی ۲/۲۹۹۔

۴- نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں زوجین کے اختلاف کا شرعی حکم:

علامہ شامی نے اپنے حاشیہ میں فرمایا: (جس صورت میں زوجین کے متضاد دعووں اور شرعی ثبوت نہ ہونے پر زوجہ کے حق میں اس کے قسم کھانے کی بنا پر فیصلے کا حکم ہے جبکہ زوجین میں صحبت نہ ہوئی ہو) تو وہاں صحبت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ یا تو بالکل صحبت نہ ہوئی ہو، یا صحبت تو ہوئی لیکن اس میں عورت کی رضا شامل نہ ہو، لہذا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ زوجہ صحبت پر رضا مند تھی تو پھر اس کا نکاح منعقد ہونے سے انکار کرنا بے معنی ہو کر رہ جائے گا اور شوہر کے حق میں ہی فیصلہ کر دیا جائے گا، حاشیہ الغزالی علی الاشبہاء میں صحبت ہو جانے کے بعد عورت کے انکار کے متعلق فقہاء کرام کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ صحبت ہو جانے کے باوجود بھی اگر عورت سرے سے ہی نکاح منعقد ہونے کا انکار کر رہی ہو تو اس کا انکار درست اور معتبر ہے، کیونکہ یہ تحریم فرج کا معاملہ ہے جو انتہائی حزم و احتیاط کا تقاضا ہے بلکہ مذکورہ مؤلف علامہ غزالی نے اپنے شیخ علامہ مقدسی کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا کہ اس میں زوجین کے صحبت کرنے کے باوجود سرے سے ہی نکاح کے انعقاد کے متعلق عورت کے انکار کو معتبر و راجح قرار دیا ہے^(۱)۔

پھر اس مسئلہ میں عورت کے قول کا اعتبار کرنے کے متعلق علامہ شامی نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ چونکہ عورت مرد کے بقول عقد نکاح کے لازم ہونے اور اس کے نتیجے میں اسے ملک بضعہ حاصل ہونے کا انکار کر رہی ہے، لہذا شریعت مقدسہ کے مقرر قواعد کی روشنی میں اس کے انکار کرنے اور قسم کھانے کی وجہ سے فیصلہ اسی کے حق میں کیا جائے گا، کیونکہ ضابطہ ہے: "الیمن علی من أنکر"^(۲)۔

(۱) شامی ۲/۲۰۲۔

(۲) ہدایہ ۲/۲۹۵۔

اس کے بعد صاحب فتح القدر اور الکافی للحاکم الشہید کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں عورت کا ولی (باپ، دادا اور بھائی وغیرہ) بھی شوہر کے حق میں شہادت دے تو اس کے باوجود فیصلہ عورت کے ہی حق میں ہوگا اور نکاح باطل قرار دیا جائے گا^(۱)۔ واضح رہے کہ زیر بحث صورت میں عورت کے قسم کھانے کا مسئلہ صاحبین کی رائے پر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ورنہ امام اعظم کے نزدیک عورت کی بات بغیر قسم کے ہی معتبر ہے یعنی انعقاد نکاح کے متعلق اس کے انکار پر بغیر قسم لئے ہی فیصلہ کر دیا جائے گا^(۲)۔

مزید توضیح کے لئے ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ ۲۴۰/۳۔

۶- خلاصہ بحث:

- ۱- مذکورہ صورتوں میں ہرگز نکاح منعقد نہیں ہوگا۔
- ۲- جبر، زبردستی اور نفسیاتی دباؤ کے تحت اگر بالغہ بظاہر نکاح کے لئے ہاں کہہ دے یا نکاح نامہ وغیرہ پر اپنے دستخط بھی ثبت کر دے تب بھی حقیقی اجازت اور آزادانہ رضامندی کے فقدان کی وجہ سے نکاح نہ ہوگا اور شرعاً اسے اذن اور رضا تسلیم نہ کیا جائے گا۔
- ۳- شریعت مطہرہ میں نکاح کے سلسلے میں برابری اور کفایت کا اعتبار مسلمہ حقیقت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ”ولا یزوجن الا من الکفاء“^(۳) (عورتوں کے نکاح کفو میں کئے جائیں)۔

لیکن چونکہ زیر بحث مسئلہ میں دوسری وجوہات کی بنا پر نکاح باطل ہو چکا ہے، لہذا بالغہ کو یہ دعوائے کفایت پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

(۱) شامی ۲/۲، ۳۰۲، ۳۰۳۔

(۲) شامی ۲/۲، ۳۰۳، ہدایہ ۲/۲۹۶۔

(۳) ہدایہ ۲۔

۴- جیسا کہ شامی، درمختار، ہدایہ اور فتاویٰ محمودیہ کی تصریحات سے قبل ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ شرعی وجوہات کی وجہ سے جس طرح قبل صحبت و ہمبستری تفریق کر دی جائے گی، اسی طرح قاضی شرعی، عالم و مفتی اور مسلمان حاکم بعد صحبت و انعقاد نکاح بھی تفریق کا مجاز ہے، لہذا دونوں صورتوں کا حکم یکساں ہے۔

۵- اس میں کوئی شک نہیں کہ جب قاضی یا شرعی کونسل پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جبر و اسراہ کے مختلف حربے اختیار کر کے بالغہ کو نکاح پر مجبور کیا گیا ہے تو وہ اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی صاحب و شرعی کونسل وغیرہ صرف برائے نام ہی فسخ نکاح کی خانہ پری فرمائیں گے، کیونکہ سابقہ بحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ایسا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا تھا۔

جبری نکاح

مولانا ابوالعاص و حیدی، سدھارتھ نگر

تمہدی بحث:

مذہب اسلام تمام انسانوں کا انتہائی ہمدرد و غمگسار مذہب ہے۔ اس نے انسانوں کے تمام طبقات کے ساتھ بڑی محبت و رافت اور اعتدال و توازن کا معاملہ کیا ہے۔ طبقہ نسواں پر ایک نظر ڈالئے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عورتیں مختلف مذاہب اور تاریخی مراحل میں حد درجہ مظلوم رہی ہیں۔ انہیں صرف اسلام کے دامن رحمت میں پناہ ملی ہے۔

مذہب اسلام نے ایک طرف عورتوں کی شرم و حیاء کا لحاظ اور تحفظ کیا ہے تو دوسری طرف اس کی آزادی ضمیر اور پسند و ناپسند سے بھی صرف نظر نہیں کیا ہے، چنانچہ عورتوں کی حیا کے تحفظ کے پیش نظر اور اس اندیشہ کے پیش نظر کہ ان کے اندر حد درجہ شوخی و بے باکی نہ پیدا ہو جائے، اسلامی شریعت نے کہا کہ عورت کے لئے ولی ضروری ہے، چاہے وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، بنا بریں نہ وہ اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ دوسرے کا نکاح کر سکتی ہے، لیکن مردوں کے حق ولایت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عورتوں کے ساتھ جبر و اکراہ کا معاملہ کریں، اس لئے شریعت نے نکاح وغیرہ میں جبر و اکراہ سے روک دیا ہے اور یہ واضح فیصلہ کر دیا ہے کہ ”الثیب أحق بنفسها من

ولہا“ مگر یہاں ”احق“ اسم تفضیل استعمال کیا گیا ہے جس سے لطیف انداز میں حق ولایت کا ثبوت بھی ہو رہا ہے، پھر بھی کسی مرد کو عاقلہ و بالغہ کے معاملہ میں اجبار و اکراہ کا حق نہیں ہے، صغیرہ نابالغہ کے ساتھ اس کا ولی اجبار کا معاملہ کر سکتا ہے مگر بالغ ہونے کے بعد اسے شریعت نے خیار بلوغ دے کر اس کی آزادی رائے کا پورا لحاظ رکھا ہے، عورتوں کی آزادی ضمیر کا لحاظ مذہب اسلام نے یہاں تک کیا ہے کہ اگر کسی ولی نے کسی عورت کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کہیں کر دی تو اسے عدالت میں جا کر احتجاج اور سخت رد عمل کا پورا حق دیا ہے۔

اور ایک زاویہ سے طبقہ نسواں کے معاملہ میں مذہب اسلام کا اعتدال و توازن دیکھنے کے لیے اس نے اگر ایک طرف مرد کو حق طلاق دیا ہے تو دوسری طرف عورت کو حق خلع دیا ہے تاکہ ناخوشگوار ماحول میں وہ گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہو۔

میں نے مندرجہ بالا امور روح کتاب و سنت اور جمہور فقہاء و ائمہ کے نقطہ نظر کے مطابق لکھے ہیں اگرچہ علماء حنفیہ نے ولایت اور خلع وغیرہ کی بعض جزئیات سے اختلاف کیا ہے، بہر حال ضروری ہے کہ عورتوں کے بارے میں مندرجہ بالا نکات کا لحاظ رکھا جائے تاکہ آزادی نسواں اور حقوق انسانی کی پرفریب تنظیموں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ مذہب اسلام میں آزادی رائے اور عورتوں کے حقوق کو پامال کیا گیا ہے۔

مذہب اسلام میں اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت پر بھی بہت زور دیا گیا ہے، اگر ان کی صحیح تعلیم و تربیت ہو تو مسلمان لڑکے یا لڑکیاں مشرقی ماحول میں رہیں یا مغربی ماحول میں رہیں، ان کے قدم غلط سمت نہیں بڑھ سکتے۔

اس تمہیدی بحث کے بعد اب سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں!

۱۔ اس صورت کو اس کی رضا مندی ہرگز نہیں تصور کیا جائے گا جب کہ وہ دل سے اس نکاح پر راضی نہیں ہے۔

دراصل جبر و اکراہ کے نتیجے میں نکاح، طلاق اور عتاق کا تحقق نہیں ہوتا، اس لئے کہ جبر و

اکراہ کے نتیجہ میں جو فیصلہ آدمی کرتا ہے اسے اضطراری ترجیح تو کہا جاسکتا ہے مگر اسے اختیاری فیصلہ نہیں کہا جاسکتا، اختیاری فیصلہ کا تعلق تو داخلی جذبہ و شعور سے ہوتا ہے جو حالت اکراہ میں مفقود ہے۔

۲- اگر جبر و اکراہ کے نتیجہ میں کسی عاقلہ بالغہ نے نکاح کے لئے ہاں کر لیا تو اسے اس کی رضا اور حقیقی اذن ہرگز تصور نہیں کیا جائے گا۔ عہد نبوی کا یہ واقعہ ملاحظہ ہو کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے والد نے میری شادی اپنے بھتیجے سے کر دی ہے جو مجھے ناپسند ہے تو آپ نے اس عورت کو اختیار دے دیا، مگر اس دانشمند عورت نے بعد میں کہا: ”قد اجزت ما صنع ابي ولكن اردت ان اعلم النساء ان ليس الحجر الآباء من الامر شئ“^(۱) اس حدیث کی روایت ابن ماجہ نے کی ہے اور اس کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔

یعنی میرے والد صاحب نے جو کیا میں اسے درست قرار دیتی ہوں، لیکن میں نے یہ چاہا کیا کہ دوسری عورتوں کو بتا دوں کہ باپ کو عورت کے معاملہ میں کچھ بھی (جبر و اکراہ کا) حق نہیں ہے۔ اس طرح کا ایک دوسرا واقعہ مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ اور دارقطنی میں بھی آیا ہے۔

اور طلاق و عتاق میں بھی جبر و اکراہ معتبر نہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”لا طلاق ولا عتاق في إغلاق“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)^(۲)

یعنی جبر و اکراہ کی طلاق و عتاق کا کوئی اعتبار نہیں۔

۳- برطانیہ کے ماحول میں رہنے والی لڑکی اور ہندوستان میں پرورش پانے والے لڑکے کے درمیان یقیناً بڑا معاشرتی فرق ہوتا ہے مگر اس فرق کی وجہ سے لڑکی کو دعویٰ کرنے کا کوئی حق

(۱) فقہ السنہ ۲/۲۶۶۔

(۲) مشکاۃ المصابیح ۲، باب الخلع والطلاق۔

نہیں کہ میری شادی جس شخص سے کی جا رہی ہے وہ میرا کفو نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام اور دینداری میں کفایت کا اعتبار ہے، دیگر امور میں نہیں۔

۴۔ اگر جبر و اکراہ سے نکاح ہوا ہے اور کسی طرح زن و شوئی کے تعلقات قائم ہو گئے تو چونکہ وہ نکاح ہوا ہی نہیں، اس لئے دونوں میں تفریق کرادی جائے گی اور عورت مہر کی مستحق ہوگی جیسا کہ سنن ابی داؤد میں بصرہ بن اشم کا واقعہ آیا ہے کہ ایک عورت سے ان کی شادی ہوئی مگر وہ حاملہ تھی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”لها الصداق بما استحلتت من فرجها... و فرق بينهما“^(۱)۔

وہ جماع کی وجہ سے مستحق مہر ہوگی، اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں میں تفریق

کرادی۔

اور اگر زن و شوئی کے تعلقات قائم نہیں ہوئے تو تفریق کرادی جائے گی۔

۵۔ اگر لڑکی کو جبر و اکراہ کے ذریعہ نکاح پر مجبور کیا گیا تھا تو فریقین کے بیانات کے بعد قاضی یا شرعی کونسل کو چاہئے کہ نکاح فسخ کر دے، چونکہ وہ نکاح منعقد نہیں ہوا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

(۱) فقہ السنہ ۲/۲۹۸ بحث المہر۔

جبری شادی

مفتی عزیز الرحمن بجنوری

مدنی دارالافتاء، مدرسہ عربیہ المدینۃ العلوم، بجنور

اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی میں نہیں بلکہ جانوروں اور حیوانوں میں بھی جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔ اس بے مقصد جہاں ازدیاد نسل ہے وہیں ایک دوسرے کے لئے باعث راحت اور سکون ہونا بھی ہے۔

”ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمة“^(۱) (اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے نفوس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم کو سکون حاصل ہو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت قائم کر دی ہے)۔

معلوم ہوا کہ جوڑا اور برابری ہونا باعث سکون اور راحت ہے، اگر یہ نہ ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ولا یزوجن الا من الاکفاء** “^(۲) (عورتوں کی شادی ان کے کفو ہی سے کی جائے)۔

(۱) سورۃ روم۔

(۲) الہدایہ۔

اسی وجہ سے ہمارے فقہاء اور مشائخ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱- "الكفاءة معتبرة في ابتداء النكاح لزومه وصحته" (۱) (ابتدائے

نکاح میں اس کے لازم ہونے اور اس کے صحیح ہونے کے لئے کفایت معتبر ہے)۔

۲- "إن الولي لوزوج الصغيرة غير الكفوء لا يصح ما لم يكن أبا

وجدا" (۲) (ولی اگر نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دے تو نکاح صحیح نہیں ہوگا بشرطیکہ باپ اور

دادا نہ ہو)۔

۳- "والمختار للفتوى أنه لا يصح العقد" (۳) (مفتی بہ قول یہ ہے کہ عقد صحیح

نہیں ہوگا)۔

۴- امام محمد فرماتے ہیں: غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا (۴)۔

۵- "العجمي لا يكون الكفوء للعربية ولو كان عالما أو سلطانا" (عجمی

مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے اگرچہ وہ عالم ہو یا بادشاہ)۔

مندرجہ بالا تصریحات سے چند باتیں ثابت ہیں:

۱- غیر کفو میں نکاح جائز نہیں ہے اگر ہوگا تو منعقد نہیں ہوگا۔

۲- عجمی عربی کا کفو نہیں ہوتا اگرچہ وہ عالم ہو یا سلطان ہو، ان تمام صورتوں میں علت

عدم سکون اور انتظام عالم میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۱) درمختار۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) رد المحتار ۲/۳۴۴۔

(۴) درمختار۔

لہذا وہ لڑکیاں جو دوسرے ملکوں میں پیدا ہوئیں ہیں، وہاں کا ماحول پایا اور تربیت پائی
وہ اگر کسی دوسرے ملک میں جبراً یا بلا رضا مندی کے بیاہ دی جائیں تو ایسے نکاح منعقد نہ ہوں
گے، جبکہ عاقلہ بالغہ کا نکاح کسی دباؤ سے نہیں کیا جاسکتا ہے، ان حالات میں جبری شادیاں نہ
ہوں گی، بلکہ ان کا انعقاد ہی نہ ہوگا، تاہم قاضی شرعی یا شرعی پنچایت کو بلا جھجک نکاح فسخ کر دینا
چاہئے، یہ احتیاط اور نہ جب نکاح کا وجود ہی تسلیم نہیں تو فسخ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

جبری نکاح

مولانا محمد انظار عالم قاسمی
مرکزی دارالقضاء، امارت شرعیہ، پٹنہ

اکراه کی لغوی تعریف:

انسان کا کسی ایسی چیز کے کرنے پر مجبور ہونا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے اکراه ہے۔
”حمل الإنسان علی شیئ یکره“^(۱)، اکراه رضا اور محبت کی ضد ہے۔ دونوں کو ایک
دوسرے کے مقابل استعمال کیا جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”وعسی أن تکرهوا شیئا وهو
خیر لکم وعسی أن تحبوا شیئا وهو شر لکم“^(۲)۔

اکراه کی شرعی تعریف:

ناحق کسی شخص کو اس کی رضا مندی کے بغیر کسی کام کے کرنے پر ڈرا کر مجبور کرنا اکراه
ہے۔

”هو إجبار أحد علی أن یعمل عملاً بغير حق من دون رضاه بالإخافة“^(۳)،
اور بعض فقہاء کرام نے اکراه کی شرعی تعریف اس طرح کی ہے:

(۱) البحر الرائق ۱۸/۱۲۷، الدر المختار علی ما مش رد المحتار ۹/۱۷۷، اللباب فی شرح کتاب ۱۰/۷۰۔

(۲) سورۃ بقرہ ۲۱۶۔

(۳) التعریفات الفقہیہ علی قواعد الفقہ ۱۸۸، البحر الرائق ۱۸/۱۲۸۔

”وشرعاً حمل الغير على فعل بما يعدم الرضا دون اختياره لكنه قد يفسد وقد لا يفسد“^(۱)۔

اکراہ کی اقسام:

فقہاء کرام نے اکراہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ۱- ملجی، ۲- غیر ملجی، اکراہ ملجی: جس میں رضا معدوم اور اختیار فاسد ہوتا ہے، جیسے کسی انسان کو ناحق مجبور کرنا کہ اگر تم فلاں کام نہیں کرو گے تو تم کو قتل کر دیں گے، یا یہ کہ فلاں عضو کاٹ دیں گے، اکراہ غیر ملجی: ایسا اکراہ جس میں رضا معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار فاسد نہیں ہوتا ہے، یعنی کسی انسان کو پٹائی یا قید کی دھمکی دے کر کسی کام کے کرنے پر ناحق مجبور کرنا۔

”هو أن الإكراه نوعان: نوع يعدم الرضا ويفسد الاختيار ونوع يعدم الرضا ولا يفسد الاختيار“^(۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اکراہ کی تمام صورتوں میں رضا معدوم ہے، اور اصل اختیار تمام صورتوں میں ثابت ہے، ہاں البتہ اکراہ کی بعض صورتوں میں اختیار فاسد ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اختیار فاسد نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ اصول و فروع کی تمام کتابوں میں ہے۔

”فالحاصل أن عدم الرضا معتبر في جميع صور الإكراه وأصل الاختيار ثابت في جميع صوره لكن في بعض الصور يفسد الاختيار و في بعضها لا يفسد“^(۳)۔

(۱) اللباب فی شرح الکتاب ۱۰۷/۳۔

(۲) شرح بدایۃ البتدی علی ہامش الہدایۃ ۱۶/۳۱۳، ۱۵/۳، اللباب فی شرح الکتاب ۱۰۷/۳، البحر الرائق ۷۰/۸، درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، الجزء الثانی، کتاب الاکراہ ص ۲۶۹۔

(۳) درر الحکام فی شرح غرر الاحکام ۲۶۹/۲۔

اکراہ مکروہ کی اہلیت کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی حالت اکراہ میں مکروہ سے خطاب ساقط ہوتا ہے، کیونکہ دراصل مکروہ مبتلی ہوتا ہے اور مبتلی سے اہلیت اور خطاب ساقط نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مکروہ حالت اکراہ میں فرض، حظر، اباحت اور رخصت کے درمیان متردد ہوتا ہے۔

”ثم اعلم أن الإكراه لا ينافي أهلية المکره ولا يوجب وضع الخطاب عنه بحال؛ لأن المکره مبتلى والابتلاء يحقق الخطاب والدليل عليه أن أفعاله تتردد بين فرض و حظر وإباحة ورخصة ويأثم تارة ويؤجر أخرى“۔

رضا کی لغوی تعریف:

رضا، رضی یرضی رضی ورضواناً مرضاة سے ماخوذ ہے، جس کے معنی راضی ہونا، پسند کرنا، خوش ہونا وغیرہ ہے، رضا سخط (امور کراہت) کی ضد ہے اور صوفیاء کے یہاں رضا سے مراد سرور قلب ہے۔

رضا کی اصطلاحی تعریف:

حنفیہ نے رضا کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے کہ وہ اختیار کا ایسا کامل ہونا ہے کہ جس کا اثر چہرہ کے ظاہر سے جانا جاتا ہو۔

”فی الاصطلاح عرفه الحنفية بأنه امتلاء الاختيار أي بلوغه ونهايته بحيث يفضي أثره إلى الظاهر من ظهور البشاشة في الوجه ونحوها“^(۱)۔

اور جمہور فقہاء کرام نے رضا کی تعریف: ”أنه قصد الفعل دون أن يشوبه إكراه“^(۲) سے کی ہے۔

(۱) التلويح على التوضيح ۲/ ۱۹۵۔

(۲) الحواشي على مختصر الخليل ۵/ ۹۔

اب فقہاء حنفیہ اور جمہور میں اختلاف اس بات میں ہے کہ رضا اور اختیار دونوں ایک ہیں، یا دو الگ الگ چیزیں ہیں تو اس سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ رضا اور اختیار دو الگ الگ چیزیں ہیں، جب کہ جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں، یعنی دونوں مترادف الفاظ ہیں۔

”ذهب الحنفیة إلى أن الرضا والاختيار شيان مختلفان من حيث المعنى الاصطلاحی والآثار في حين الجمهور إلى أنهما مترادفان“^(۱)۔

مذکورہ باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تصرفات مکروہ کے سلسلہ میں حنفیہ اور جمہور کے درمیان دراصل اختلاف کی بنیاد رضا اور اختیار پر ہی ہے، کیونکہ جمہور کے نزدیک حالت اکراہ میں مکروہ سے رضا اور اختیار دونوں معدوم ہو جاتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ سے حالت اکراہ میں صرف رضا معدوم ہوتی ہے نہ کہ اختیار، بلکہ حنفیہ کے نزدیک اکراہ کی بعض صورتوں میں اختیار فاسد ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں تو اختیار بھی فاسد نہیں ہوتا بلکہ اختیار صحیح باقی رہتا ہے، جیسا کہ اوپر گذرا۔

حقیقت رضا:

اب غور طلب امر یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں رضا کی کیا حقیقت اور اہمیت ہے؟ آیا رضا احکام شرعیہ کے لئے شرط صحت ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں جمہور نے تمام احکام شرعیہ میں رضا کو شرط صحت قرار دیا ہے، سوائے ان احکام کے جن میں کوئی صریح نص وارد ہوئی ہو جیسے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ثلاث جد هن جد وهزلهن جد: الطلاق والعناق والنكاح“^(۲) (اگر کسی شخص نے مذاق سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، یا کسی سے مذاق میں نکاح کر لیا، یا اپنے

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/۵۰۷، کشف الاسرار ۳/۳۸۳۔

(۲) ترمذی و ابوداؤد۔

غلام کو مذاق ہی میں آزاد کر دیا تو سب نافذ ہوں گے، حنفیہ کے نزدیک بعض تصرفات شرعیہ میں رضا شرط صحت ہے اور بعض میں نہیں (آگے تفصیلی بحث آرہی ہے)۔

اب حالت اکراہ میں مکرہ کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں یا نہیں تو اس سلسلہ میں حنفیہ اور جمہور میں اختلاف ہے۔

تصرفات کی دو قسمیں ہیں: تصرفات حسیہ اور تصرفات شرعیہ، پھر تصرفات شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ انشاء، ۲۔ اقرار، پھر انشاء کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جو فسخ کا احتمال رکھتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی ہے۔ جو تصرفات شرعیہ فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں وہ یہ ہیں: طلاق، عتاق، نکاح، ظہار، یمین، قصاص کا معاف کرنا وغیرہ، اور وہ تصرفات شرعیہ جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں وہ بیع، اجارہ وغیرہ ہیں۔

”التصرفات الشرعية في الأصل نوعان: إنشاء وإقرار والإبراء
نوعان: نوع لا يحتمل الفسخ ونوع يحتمله، أما الذي لا يحتمل الفسخ
فالطلاق والرجعة والعتاق والنكاح واليمين والنذر والظهار والإيلاء والفيء في
الإيلاء والتدبير والعفو عن القصاص، وهذه التصرفات جائزة مع الإكراه عندنا
وعند الشافعي لا تجوز“^(۱)۔

جمہور کے نزدیک تصرفات شرعیہ میں اکراہ مؤثر ہے جب کہ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں اور نہ ان میں رضا، شرط ہے تو ان احکام میں اکراہ مؤثر نہیں اور ایسے تصرفات حالت اکراہ میں بھی مکرہ کے کرنے سے نافذ و لازم ہوں گے، پس اگر کسی شخص کو ناحق مجبور کیا گیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور اس شخص نے بھی حالت اکراہ میں ڈر کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، اسی

(۱) بدائع الصنائع ۷/۱۸۳۔

طرح سے اگر کسی شخص کو کسی سے نکاح کرنے پر نا حق مجبور کیا گیا اور زبردستی اس سے ڈرا دھمکا کر نکاح پر باں پہلوا لیا گیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

”وضابط ذلك أن كل مالا يؤثر فيه الفسخ بعد وقوعه لا يعمل فيه الإكراه من حيث منع الصحة، لأن الإكراه يفوت الرضا وفوات الرضا يؤثر في عدم اللزوم وعدم اللزوم يمكن المكره من الفسخ، فالإكراه يمكن المكره من الفسخ بعد التحقق، فما لا يحتمل الفسخ لا يعمل فيه الإكراه“^(۱)۔

جمہور فقہاء کرام کے نزدیک تصرفات شرعیہ میں اکراه مؤثر ہے، اور حالت اکراه میں کئے گئے تصرفات شرعیہ نافذ نہیں ہوتے ہیں، کیونکہ جمہور کے نزدیک تمام تصرفات شرعیہ میں رضا شرط ہے اور حالت اکراه میں رضا معدوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکرہ کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی مکرہ کا کیا ہوا نکاح منعقد ہوتا ہے، بلکہ تمام تصرفات شرعیہ حالت اکراه میں فاسد ہوتے ہیں۔

”ویری جمهور العلماء غير الحنفية أن الإكراه يؤثر في هذه التصرفات فيفسدها، فلا يقع طلاق المكره مثلا، ولا يثبت عقد النكاح بالإكراه ونحوها“^(۲)۔

شریعت میں عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضامندی:

شریعت اسلامیہ نے عاقلہ بالغہ عورت کی رضامندی کو نکاح میں بڑی اہمیت دی ہے جیسا کہ آیت قرآنی اور احادیث شریفہ سے واضح ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبارت نساء سے حنفیہ

(۱) فتح القدیر ۹/۲۵۳، شرح النقایہ ۲۱/۵۲۹۔

(۲) الموسوعۃ الفقہیہ ۶/۱۱۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۴۰۴، نیز دیکھئے: المحلی لابن حزم ۹/۲۵۸، التفسیر الکبیر ۲/۹۹، الباب فی شرح الکتاب ۴/۱۱۳، الإیضاف ۸/۴۴۱، بدائع الصنائع ۶/۱۹۳۔

کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے، جبکہ بعض فقہاء کرام کے نزدیک عبارت نساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک صحت نکاح کے لئے ولایت شرط ہے، اس لئے اگر کوئی عورت از خود اپنا نکاح کر لے تو نکاح درست نہیں ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے:

”فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره“^(۱)۔

”وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن

أزواجهن“^(۲)۔

ان دونوں آیتوں میں زواج کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی اور اسناد میں اصل فاعل

حقیقی ہے، اب زواج کی نسبت عورت کی طرف ہونے سے یہ واضح ہوا کہ عورت کو بھی نکاح

کرنے کا حق ہے^(۳)۔ حدیث شریف میں بھی عورت کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار ثابت

ہے، چنانچہ حدیث پاک ہے: ”الایم أحق بنفسها من وليها“^(۴)۔

الایم: ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ شریعت نے

ایسی عورت کو دوسرے سے زیادہ اپنے نفس کا حقدار بنایا ہے اور زبانی حق کا صدور اس وقت

ہوگا جبکہ وہ اپنا نکاح از خود ولی کی رضا مندی کے بغیر کرنے کی مجاز ہوگی^(۵)۔

باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا:

ولی کے لئے بالکل مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنی عاقلہ بالغہ لڑکی کو کسی ایسے شخص سے نکاح

(۱) سورۃ بقرہ، ۲۳۰۔

(۲) سورۃ بقرہ، ۲۳۲۔

(۳) فقہ السنہ، ۲۹/۲، ۱۲۸۔

(۴) مسلم شریف۔

(۵) البحر الرائق، ۳/۱۱۷، الدر المختار علیٰ ما مشرد المختار، ۴/۱۵۵۔

کرنے پر مجبور کرے جس کو وہ ناپسند کرتی ہے۔ اگر کوئی ولی ایسا کرتا ہے تو وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف کرتا ہے۔ اس کو ایسی حرکت سے باز آ جانا چاہئے، اس لئے کہ نکاح کے باب میں شریعت نے عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضامندی اور اجازت کو ملحوظ رکھا ہے۔

”ولا إجبار علی البکر البالغۃ فی النکاح“^(۱)۔

مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ایسی صورت میں رضا نہیں پائی جائے گی اور لڑکی کی رضامندی نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ اکراہ کی دونوں صورتوں میں یعنی خواہ ملجی ہو یا غیر ملجی رضا معدوم ہوتی ہے۔
”فالحاصل أن عدم الرضا معتبر فی جمیع صور الإکراہ“^(۲)۔

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کے باب میں انعقاد نکاح کے لئے رضا شرط نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ میں ہے، چنانچہ علامہ شامی رقمطراز ہیں:

”إذ حقيقة الرضا غير مشروطة فی النکاح لصحته مع الإکراہ والہزل“^(۳)۔

۲۔ اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اس کی رضا اور حقیقی اذن تسلیم کیا جائے گا، اس لئے کہ اکراہ کی حالت میں مکرہ سے حنفیہ کے نزدیک اختیار ساقط نہیں ہوتا ہے اور جب اس کو اختیار ہے اور وہ اہلیت بھی رکھتا ہے تو اس کے اذن کو حقیقی اذن شمار کیا جائے گا، ہزل پر قیاس کرتے ہوئے^(۴)، چنانچہ اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”ثلاث جد هن جد وهزلهن جد: النکاح والطلاق والعناق“^(۵)۔

(۱) اختیار ۲/۹۲۔

(۲) درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، الجزء الثانی ۲۶۹۔

(۳) رد المحتار ۳/۳۱، البحر الرائق۔

(۴) المبسوط للسرہسی ۱۲/۶۳، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۵۳، البحر الرائق ۳/۲۳۶، در مختار علی ہامش

رد المحتار ۲/۴۲۱، کتاب الطلاق۔

(۵) ترمذی، ابوداؤد۔

(تین چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح،

طلاق اور رجعت)۔

نکاح بذریعہ دستخط کا حکم:

اگر کسی لڑکے یا لڑکی کو غیر معمولی دباؤ میں لا کر بوقت نکاح دستخط کرا لیا تو یہ نکاح

درست ہوگا یا نہیں؟

حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح منعقد ہونے کے لئے عاقدین کا ایجاب و قبول، زبان سے

کہنا اور سننا ضروری شرائط میں سے ہے۔ اسی طرح شاہدین کا بھی عاقدین کے ایجاب و قبول کا

سننا ضروری ہے، صرف کسی سے دستخط کروالینے سے نکاح منعقد نہیں ہوگا^(۱)۔

۳۔ اس صورت میں لڑکی کو قطعاً یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے کہ میری شادی جس لڑکے

سے کی جا رہی ہے یا کی گئی وہ میرا کنو نہیں ہے اور نہ ہی اس لڑکی کو معاشرتی فرق کو کفایت کی بنیاد

بنا کر حق تلفی حاصل ہے۔

۵۔ چونکہ یہ ایک قسم کا ظلم ہے اور رفع ظلم قضاء یا شرعی کونسل کا فریضہ ہے، اس لئے ایسی

صورت میں میری ناقص رائے یہ ہے کہ قاضی یا شرعی کونسل کو بر بنائے ناحق جبر و اکراہ لڑکی کا نکاح

فسخ کرنے کا اختیار دیا جائے اور لڑکی کو بھی بر بنائے جبر و اکراہ فسخ نکاح کا حق دیا جائے۔

(۱) الدر المختار، ۱/۱۸۶، البحر الرائق، ۳/۲۴۶، رد المحتار، ۲/۴۲۱۔

جبری شادی

مولانا اعجاز احمد قاسمی
مدرسہ اسلامیہ محمود العلوم، دہلہ

نکاح میں عاقلہ بالغہ لڑکی کا اختیار:

عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں خود مختار ہے۔ اس کو کوئی شخص نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔ حدیث صحیح میں ہے: "الایم أحق بنفسها من ولیها، والبکر تستأذن وإذنها صماتها" (عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے، باکرہ سے اس کی اجازت اور مرضی معلوم کی جائے اور اس کی اجازت خاموش رہنا ہے)، نیز دیکھئے: درمختار ۳۱۰/۲۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"ویجب علی ولی المرأة أن یتقی الله فیمن یزوجها به وینظر فی الزوج هل هو کفو أو غیر کفو، فإنه إنما یزوجها لمصلحتها لا لمصلحته، ولیس له أن یزوجها بزواج ناقص لغرض له" (۱)۔

(عورت کے ولی پر ضروری ہے کہ اس شخص کے بارے میں جس سے اس کی شادی کرنا

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۵/۳۲۔

چاہتا ہے اللہ سے ڈرے، اور شوہر کے بارے میں غور کرے کہ آیا وہ کفو ہے یا نہیں، اس لئے کہ وہ عورت کی شادی کر رہا ہے اس کی مصلحت کی خاطر، نہ کہ اپنی مصلحت کے پیش نظر اور ولی کے لئے جائز نہیں اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے کسی ناقص شوہر سے اس کی شادی کر دے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”أما تزويجها مع كراحتها للنكاح فهذا مخالف للأصول والنقول،
والله لم يسوغ لوليها أن يكرهها على بيع وإجارة إلا بإذنها ولا على طعام أو
شراب أو لباس لا تريده فكيف يكرهها على مباحة و معاشرة من تكره
مباحته و معاشرة من تكره معاشرته“^(۱)۔

(ولی کا عورت کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کی شادی کرانا اصول و نقول سب کے خلاف ہے۔ اللہ نے کسی ولی کے لئے جائز قرار نہیں دیا کہ وہ عورت کی مرضی کے بغیر کسی شی کی بیع اور اجارہ پر اس کو مجبور کرے اور نہ ایسی چیز کے کھانے، پینے، اور پہننے پر مجبور کر سکتا ہے جس کو وہ ناپسند کرتی ہے، تو ولی کس طرح عورت کی مرضی کے خلاف کسی شخص سے نکاح پر اس کو مجبور کر سکتا ہے؟ اور ایسے شخص کے ساتھ معاشرت پر مجبور کر سکتا ہے جس کی معاشرت کو وہ پسند نہیں کرتی)۔

حالتِ اِکراه کا نکاح:

کسی ولی نے تمام تر شرعی ذمہ داریوں کو فراموش کرتے ہوئے عاقلہ بالغہ کو کسی ناپسندیدہ شخص سے نکاح پر مجبور کر دیا اور بحالتِ مجبوری اس نے قبول کر لیا تو حنفیہ کی رائے کے مطابق یہ نکاح منعقد ہو جائے گا^(۲)۔

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۲/۳۵۔

(۲) رد المحتار ۲/۵۷۹۔

قاضی یا شرعی کونسل کے ذریعہ فسخ:

عورت کسی طرح شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی نہ ہو تو اپنے دعویٰ کو ثابت کر کے بذریعہ قاضی نکاح فسخ کرا لے^(۱)۔

(۱) شامی ۲/۲۳۶۔

جبری شادی

مولانا خورشید احمد اعظمی
المکتب العلمی، رگھوناتھ پورہ، منو

- ۱- یہ صورت رضا مندی پر محمول ہوگی، اور نکاح صحیح ہوگا۔
- ۲- اولیاء کے بارے میں یہ پہلو غالب ہے کہ وہ لڑکی کے حق میں خیر خواہی، شفقت اور اس کے مفادات کی رعایت کو ملحوظ رکھیں گے۔ اگر اس سے ہٹ کر کسی جذبہ کے تحت وہ لڑکی پر دباؤ ڈالتے ہیں تو ان کا یہ فعل باعث گناہ ہوگا، مگر لڑکی کی اجازت جو جبر و اکراہ کے تحت حاصل ہو رہی ہے، نکاح کے باب میں اس کی رضا مندی پر ہی محمول ہوگی۔
- ۳- نکاح کے باب میں شرعاً صرف دین میں کفایت کا اعتبار کرنا چاہئے جیسا کہ احادیث نبویہ اور عہد رسالت و قرون مشہودہ کی شادیوں سے معلوم ہوتا ہے^(۱) اور امام مالکؒ نیز امام کرخی، ابوبکر الجصاص اور دیگر علماء عراق نے بھی صرف اسی کا اعتبار کیا ہے، اگرچہ بعض خارجی امور (فخر و مباہات) کا لحاظ کرتے ہوئے عرفاد دیگر امور میں بھی حنفیہ کے نزدیک کفایت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ امور یہ ہیں:

نسب، اسلام، پیشہ، آزادی، دیانت اور مال^(۲)۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نسب و کفایت کی شرعی حیثیت تالیف محدث حبیب الرحمن الاعظمی۔

(۲) رد المحتار ۴/۲۰۹۔

برطانوی لڑکی کے نکاح کی جو صورت سوالنامہ میں مذکور ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے اولیاء اس کا نکاح اپنے خاندان اور گھرانہ میں ہی کرتے ہیں اگرچہ ملک اور وطن بدلا ہوا ہے، لہذا لڑکی کا یہ دعویٰ کہ میرا نکاح غیر کفو میں ہو رہا ہے، جائز نہیں ہوگا۔

اول تو اس لئے کہ کفایت کو اولیاء کا حق شمار کیا گیا ہے۔

دوم: اس لئے کہ لڑکی کو اس کا علم ہوتا ہے کہ اس کا نکاح کس سے کیا جا رہا ہے اور اس کی اجازت شامل ہوتی ہے اگرچہ راہ کے ساتھ ہو۔

سوم: اس لئے کہ ایک دیہاتی شہری کا کفو ہو سکتا ہے^(۱)۔

لہذا جن کے نزدیک دین کے علاوہ دیگر امور میں بھی کفایت کا اعتبار کیا گیا ہے، ان کے نزدیک بھی اختلاف بلد یا شہری اور دیہاتی ہونے کی بنا پر کفایت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، اور ایک دیہاتی شہری کا کفو ہو سکتا ہے، اس لئے اس کا لحاظ کرتے ہوئے برطانوی نثر ادلڑکی کا کفو ہندوستانی یا پاکستانی نثر ادلڑکا ہو سکتا ہے، لہذا لڑکی کا مطالبہ تفریق درست نہیں ہوگا۔

۵۔ صرف اس بنیاد پر کہ نکاح کے وقت لڑکی نے جبر اور دباؤ میں اجازت دی تھی، ورنہ وہ اس نکاح پر راضی نہیں تھی، قاضی کو اس نکاح کے فسخ کا اختیار نہیں ہوگا۔

(۱) ردالمحتار ۲/۱۹۷۔

جبری شادی

مولانا بہاء الدین ندوی، کیرالا

۱- شافعی مسلک کے مطابق لڑکی کی رضامندی کی اہمیت ہے، لیکن اگر لڑکی کنواری (بکر) ہو تو اس لڑکی کے باپ (باپ نہیں ہے تو دادا) اس لڑکی کو شادی کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، جبکہ وہ شادی کفو سے ہو جائے۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ ایک لڑکی کے مستقبل کے بارے میں لڑکی سے بھی اچھی طرح باپ یا دادا جانتے ہیں اور اپنی بیٹی کو کسی طرح کی مضرت آنے کی خواہش عموماً ان کو نہیں ہوگی، تو لڑکی کے کنواری ہونے کی صورت میں اس کی پوری اجازت شافعی مسلک میں ضروری نہیں ہے اور اگر شیب (جو کنواری نہیں ہے) ہے تو اس کی اجازت کے بغیر شادی صحیح نہیں ہے۔

”وللأب تزوج البكر صغيرة وكبيرة بغير إذنها لكامل شفقتہ ويستحب استئذانها أي الكبيرة تطيباً لخاطرها، وليس له تزويج ثيب إلا بإذنها فإن كانت صغيرة لم تزوج حتى تبلغ، لأن الصغيرة لا إذن لها، والجد كالأب عند عدمه في جميع ما ذكر“

لیکن ہمارے مسئلہ میں رضامندی کی بات آتی ہے۔ اس میں شافعی مسلک کا حکم یہ ہوگا کہ اگر شادی کفو سے نہیں ہے تو وہ باطل ہے، چاہے ولی کو جبر کرنے کا حق ہو یا نہ ہو۔ امور کفایت کی جو خصلتیں آتی ہیں وہ فقہ کی کتابوں میں درج ہیں۔

”لو زوجه الولي غير كفاء أو بعض الأولياء المستورين برضاها
 ورضا الباقيين صح التزويج، ولو زوجه الأقرب برضاها فليس للأب اعتراض،
 ولو زوجه أحدهم بغير كفاء برضاها دون رضاهم لم يصح: وفي قول: يصح،
 ولهم الفسخ، ويجري القولان في تزويج الأب أو الجد، بكرة صغيرة أو بالغة
 غير كفاء بغير رضاها، ففي الأظهر باطل، وفي الآخر: يصح، وللبالغة الخيار
 وللصغيرة إذا بلغت“.

۲- نکاح کے انعقاد میں یا دوسرے کسی معاملے کے انعقاد میں اِکراه مؤثر نہیں ہے، لیکن
 اِکراه اس صورت کو بولا جاتا ہے جس میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں:
 ۱- اِکراه کرنے والے کو جس بات کو بول کر کے وہ اِکراه کرتا ہے، اہم کو نافذ کرنے کی
 طاقت ہو۔

۲- اِکراه معجل یعنی حالی ہو، مطلب یہ ہے کہ اگر کل یا پرسوں یا ایک مہینہ کے بعد قتل
 کرنے کی دھمکی دی جائے تو یہ اِکراه میں شامل نہیں ہے۔
 ۳- اس دھمکی سے سلامتی پانا ناممکن ہو۔

”و شرط الإكراه قدرة المكره على تحقيق ماهدد به عاجلاً بولاية أو
 تغلب، وعجز المكره عن دفعه بفرار أو استغاثة وظنه أنه ان امتنع فعل ماخوفه
 به ناجزاً فلا يتحقق العجز بدون اجتماع ذلك كله“.

پاسپورٹ جلادینے کی دھمکی اس میں شامل نہیں ہے، کیونکہ عموماً وہ بات بعد کی ہوگی
 ، ہاں اگر لڑکی کے سامنے پاسپورٹ جلادینے کی دھمکی ہو تو وہ اِکراه ہے۔
 میرا شک یہ ہے کہ اِکراه کی بات اس میں کیسے آئے گی، لڑکی پر اِکراه کرنا ہماری بحث
 کا موضوع نہیں ہے۔ اگر ولی کو کوئی شادی پر مجبور کرے تو اس کو اِکراه (عقد یا معاملے میں اِکراه)
 بولا جاتا ہے۔ ولی لڑکی پر اِکراه کرے تو یہ شادی یا معاملے میں اِکراه نہیں ہوگا۔

۳- کفالت میں جو باتیں معتبر ہیں ان میں سے ”نسب“ (خاندان) کے تحت اس مسئلہ کو رکھا جاسکتا ہے، اگر لڑکا کفو نہیں ہے تو اس صورت میں تفریق کا حق مسلک شافعی کے مطابق خود لڑکی کو حاصل ہے۔

۴- زان و شوئی تعلقات قائم ہونے کے بعد تفریق کرنا اور اس کے پہلے تفریق کرنا دونوں کا حکم برابر ایک مسئلہ میں ایک ہے، یعنی اگر زان و شوئی تعلق قائم ہونے کے بعد تفریق ہوتی ہے تو مہر واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس کے قبل ہے تو مہر کا آدھا حصہ واپس دینا واجب ہے۔

۵- جواب نمبر (۳) کی عبارت سے واضح ہے کہ اگر غیر کفو سے شادی ہوگی تو لڑکی کو خود فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر بالغ نہیں ہے تو بالغ ہونے کے بعد بھی یہ حق حاصل ہے، تو لڑکی کے قول پر عمل کرنا قاضی اور شرعی کونسل کے لئے جائز ہے، لیکن فسخ کا صیغہ لڑکی کے منہ سے آنا چاہئے، کیونکہ فسخ کا حق اس کا ہے۔

جبری شادی

شیخ عبدالقادر عبداللہ قادری، کیرالا

عربی سے ترجمہ

ولی کو عاقلہ شوہر دیدہ لڑکی کی شادی کرانے کا اختیار نہیں ہے، الا یہ کہ وہ اس کی اجازت دے، کیونکہ مسلم کی روایت ہے: ”الثیب أحق بنفسها من وليها“ (ثیبہ اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے آپ کی زیادہ حق دار ہے)، اس کی علت یہ ہے کہ مردوں سے سابقہ پیش آنے کی وجہ سے اس کی ناواقفیت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور وہ مردوں کی طرف سے پہنچنے والے نفع و نقصان کو سمجھ سکتی ہے برخلاف کنواری لڑکی کے^(۱)۔

نکاح میں عورت کی رضامندی شرط ہے، کیونکہ یہ اس کا حق ہے^(۲) اور عورتوں کی دو قسمیں ہیں: ۱- ثیبہ (شوہر دیدہ)، ۲- باکرہ (کنواری)^(۳)، اور ”والنساء علی ضربین“ سے مراد یہ ہے کہ نکاح کے سلسلے میں جبر نہیں کیا جاسکتا اور کنواری لڑکیوں کے معاملہ میں باپ اور دادا کو جبر کرنے کا حق ہے^(۴)۔

(۱) التحفة ۷/۲۴۵۔

(۲) تحفة الطلاب بشرح تنقیح اللباب ج ۲/۲۴۳۔

(۳) شرح ابن قاسم الغزی علی متن ابی شجاع۔

(۴) حاشیۃ الباجوری ۲/۱۱۲۔

ثیبہ بالغہ پر جبر کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کی شادی کرائی جاسکتی ہے، الا یہ کہ وہ اجازت دے اور اس کا یہ کہنا: ”اگر میرے والد رضامند ہیں تو میں بھی رضامند ہوں“ کافی نہ ہوگا اگر اس کا مقصد اپنی رضامندی کو اپنے والد کی رضامندی پر معلق کرنا ہو۔ اور اگر اس کی مراد یہ ہو کہ میرے والد جو کریں میں اس پر راضی ہوں تو یہ جائز ہے اور اس وقت یہی دستور ہے (۱)۔

عقد کے مکمل ہونے سے قبل عورت کا رجوع نہ کرنا بھی شرط ہے، لیکن اگر وہ عقد کے مکمل ہونے کے بعد رجوع کرے تو اس کا قول معتبر نہیں ہوگا الا یہ کہ کوئی بینہ پیش کیا جائے۔ نکاح دو گواہوں کی موجودگی ہی میں صحیح ہوگا اور ان کا آزاد، مرد، عادل (راست باز) اور سننے والا ہونا شرط ہے، اس لئے کہ جس چیز پر گواہی دی جانی ہے وہ قول ہے، لہذا حقیقتاً اس کا سنا جانا شرط ہے، اور دیکھنا بھی شرط ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ اقوال دیکھنے اور سننے کے ذریعہ ہی ثابت ہوتے ہیں (۲)۔

آواز پر اعتماد کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہذا اگر دونوں گواہ ایجاب کرنے والے اور قبول کرنے والے کو دیکھے بغیر ایجاب و قبول کو سن رہے ہوں لیکن قطعی طور پر ان کے دل میں یہ خیال ہو کہ ایجاب کرنے والا فلاں ہے اور قبول کرنے والا فلاں تو یہ کافی نہ ہوگا۔ اس کی علت ذر کی جاچکی ہے یعنی یہ کہ ان دونوں کو ایجاب کرنے والے اور قبول کرنے والے کا علم نہیں ہے، اس لئے کہ نکاح کے دو گواہوں سے مقصود یہ ہے کہ تنازع کی صورت میں عقد کو ثابت کیا جاسکے جو علم نہ ہونے کی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا، ”النبایہ“ ۶/۲۱۸ میں ہے: ”و شرطہما حریۃ وسمع“ (گواہوں میں آزادی اور سننا شرط ہے) اس لئے کہ جس چیز کی گواہی دی جانی ہے وہ قول ہے، لہذا حقیقتاً اس کا سنا جانا شرط قرار دیا گیا اور دیکھنا بھی، کیونکہ اقوال کا ثبوت دیکھ کر اور سن کر ہی ہوتا ہے۔

(۱) الانوار فی عمل الابرار ۲/۵۳، ۵۴۔

(۲) التحفۃ مع المنہاج ۷/۲۲۸۔

اگر عورت کی طرف سے رضا مندی نہیں پائی گئی یا اس کے ساتھ زبردستی کی گئی اور نکاح
جبر کے ساتھ ہو اور زن و شوئی کے تعلقات نہیں قائم ہوئے تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے،
اگر مرد کفو نہ ہو۔ کفو کا اعتبار پانچ امور میں ہوتا ہے جن کو شارع نے بیان کیا ہے اور اختلاف
مکان میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور نکاح اور دیگر عقود و معاملات کے درمیان فرق ہے، چنانچہ عقد
نکاح میں دونوں گواہوں کا موجود رہنا بھی شرط ہے برخلاف معاملات کے جو غیر موجودگی میں بھی
درست ہو جاتے ہیں جیسا کہ ”اسنی المطالب“ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جبری شادی

مولانا نیاز احمد عبدالحمید طیب پوری
الجامعۃ الاسلامیہ خیر العلوم، سدھارتھ نمبر

۱۔ جی نہیں، یہ رضا مندی تصور نہ ہوگی، اس لئے کہ لڑکی مکرہ ہے اور قبول نکاح میں مکرہ کے ارادہ کی تنفیذ کر رہی ہے نہ کہ اپنے جذبات کی ترجمانی۔

”رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھو علیہ“ (میر کی امت سے بھول، چوک اور اس چیز کو معاف کر دیا گیا ہے جس پر اسے مجبور کیا جائے)۔

۲۔ عاقلہ بالغہ لڑکی کو اپنی رضا مندی کا پورا اختیار ہے لیکن اس اختیار سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اپنی شادی کے تعلق سے مختار کل ہے، بلکہ حدیث کی صراحت کے بموجب ولایت کی شرط باقی رہے گی۔

۳۔ لڑکی کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ عدم کفایت کا دعویٰ کرے اور اس کے ذریعہ حق تفریق حاصل کرے۔ اصل کفایت اسلام ہے اور سارے کلمہ گو مسلمان اور بھائی بھائی ہیں، پیشے بھلے ہی الگ الگ ہوں، کوئی مسلمان لڑکا لڑکی برضا و رغبت کسی بھی سماج میں بسنے والی لڑکی یا لڑکے سے شادی کر سکتے ہیں، اگر سماجی تفاوت اور زمین زمین کے اختلاف سے کوئی منفی پہلو سامنے آتا ہے اور ازدواجی زندگی میں ایسی کڑواہٹ پیدا ہوتی ہے جو معاشرتی زندگی کی گاڑی

کے آگے بڑھنے میں سخت مانع ہے تو شریعت نے اس کے لئے استثنائی صورتیں رکھی ہیں، لیکن محض سماجی رکھ رکھاؤ اور معاشرتی تفاوت کو عدم کفایت قرار دینا سراسر زیادتی اور اسلامی تصور کے خلاف ہے۔

۴۔ آراہ کی کوئی چیز واقع نہیں ہوتی ہے، چاہے طلاق ہو یا عتاق، صورت مسئولہ میں لڑکی مکروہ ہے، اس لئے اس کا نکاح ہی نہیں ہوا، اب اگر زن و شوئی کے تعلقات قائم ہو چکے ہیں تو لڑکی مہر مثل کی مستحق ہوگی، لڑکے کو زانی نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس پر شرعی حد جاری کی جاسکتی ہے، اگرچہ نکاح صحیح نہیں ہوا تھا۔

جسمانی تعلقات قائم نہ ہونے کی صورت میں لڑکی مستحق نہ ہوگی، ایک بات اور ملحوظ خاطر رہے کہ نکاح فاسد سے وطی کی صورت میں عدت واجب ہوگی، سید سابق فقہ السنہ میں رقمطراز ہیں:

”من وطئ امرأة بشبهة ومجبت علیها العدة؛ لأن وطأ الشبهة كالوطأ فی النکاح فی النسب، فكان كالوطأ فی ایجاب العدة، وكذلك تجب العدة فی زواج فاسد إذا تحقق الدخول۔“

اما الظاهرية فقالت: لا تجب العدة فی النکاح الفاسد ولو بعد الدخول لعدم وجود دليل على ایجابہ من الكتاب والسنة“^(۱) (جو کسی عورت سے شبہ کی بنا پر وطی کر لے تو اس عورت پر عدت واجب ہوگی، اس لئے کہ شبہ کی وطی نسب کے سلسلے میں نکاح کی وطی کی طرح ہے، لہذا یہ عدت کو واجب کرنے میں وطی کی طرح ہو گیا۔ اسی طرح نکاح فاسد میں اگر دخول ہو جائے تو عدت واجب ہوگی۔ جہاں تک ظاہریہ کا تعلق ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ نکاح فاسد میں عدت واجب نہیں ہے، خواہ دخول ہو چکا ہو، اس لئے کہ کتاب و سنت سے اس کو واجب کرنے والی کوئی دلیل نہیں ہے۔)

(۱) فقہ السنہ ۲/۵۷۲۔

جبری شادی

مولانا محمد اعظمی (منو)

۱- صورت مسئلہ میں عاقلہ بالغہ سے زبردستی ہاں کہلوا لینا نکاح کے لئے اس کی رضا مندی پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ جبر و اکراہ کی مذکورہ صورتیں اس کی عدم رضا پر دلالت کر رہی ہیں۔

۲- اگر والدین یا اولیاء محض شفقت اور مصلحت دین و دنیا کی بنا پر استیذان و انکاح کے لئے بالغہ پر جبر و اکراہ کا شائستہ طریقہ اختیار کریں، اس میں ان کی اپنی یا خاندان وغیرہ کی غرض یا مفاد شامل نہ ہو اور کوئی فریب و دھوکہ کی حرکت نہ ہو تو یہ رضا و نکاح درست ہے، ورنہ سوال میں جبر و اکراہ کے مذکورہ طریقوں سے جو نکاح ہوگا وہ فاسد ہوگا، کیونکہ جمہور فقہاء کے نزدیک رضا اور عدم اکراہ انعقاد نکاح کے لئے شرط ہے، چنانچہ ڈاکٹر و بیہ الزحیلی لکھتے ہیں:

”الرضا والاختیار من العاقدین أو عدم الإكراه . هو شرط عند الجمهور غير الحنفية، فلا يصح الزواج بغير رضا العاقدین، فإن أكره أحدهما على الزواج بالقتل أو بالضرب الشديد أو بالحبس المدید كان العقد فاسداً، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”إن الله تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه“ وأخرج النسائي عن عائشة أن فتاة هي الخنساء ابنة خدام

الأنصارية دخلت عليها فقالت: إن أبي زوجني من ابن أخيه يرفع بي خسيسته وأنا كارهة... فجاء رسول الله ﷺ... فجعل الأمر إليها" الحديث.

(حنفیہ کو چھوڑ کر جمہور کے نزدیک رضامندی، اختیار اور عدم اکراہ دونوں کی جانب سے شرط ہے، چنانچہ بغیر رضائے عاقدین نکاح جائز نہیں ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی قتل، شدید مار، یا طویل مدت تک قید کا خوف دلا کر نکاح کے لئے راضی کر لیا گیا تو یہ نکاح فاسد ہوگا، حضور ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے جس میں آپ نے فرمایا کہ میری امت کو اللہ تعالیٰ خطا و نسیان اور اکراہ کی حالت میں معاف کرتا ہے، اور ایک حدیث جس کو امام نسائی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے، یہ ہے کہ خنساء بنت خدام انصاریہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے والد نے اپنے چچا زاد بھائی سے میری شادی کر دی ہے تاکہ میرے ذریعہ اس کی خست کو دور کرے اور اسے میں ناپستد کرتی ہوں، اسی دوران حضور ﷺ تشریف لائے پھر یہ بات آپ کو بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے) (۱)۔

امام ابن تیمیہ نے جبری شادی کو حرام اور جاہلی عمل قرار دیا ہے (۲)۔

یہ بھی ایک المیہ ہے کہ بدلتے ہوئے حالات میں پسند کی شادی کا رجحان روز افزوں ہے۔ کفایت کا معیار بھی ماڈرن ہو گیا ہے، جو بیشتر محرمات کے ارتکاب کا شاخسانہ ہے، اس کے اولین مجرم اولیاء ہیں جن کی تربیت و سرپرستی میں معیار کفایت "الخبیثات للخبیثین" کی منزل تک پہنچ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مرحلے میں اولیاء کے حق اجبار استعمال کرنے سے عظیم مفسد پیدا ہونے لازمی ہیں، اس لئے اولیاء کو چاہئے کہ ان حالات میں عاقدین پر ظالمانہ جبر و اکراہ کا ارتکاب کر کے اپنے جرائم کے کھاتے کو ضخیم نہ بنائیں۔

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۷۸۔

(۲) فتاویٰ شیخ الاسلام ۳۲/۵۲۔

۲- اسلام کی عظیم خصوصیات میں مساوات انسانی ایک ایسی حقیقت ہے جس نے عرب و عجم کو ایک لڑی میں پرودیا ہے، طبقاتی، علاقائی اور نسلی امتیازات و فرق درجات کو جس طرح مٹایا ہے وہ ایک اہلی ہوئی کتاب ہے۔ شادی کے معاملے میں کفایت کے جتنے معیارات قائم کئے گئے ہیں جن کا ثبوت کتاب و سنت میں نہیں ہے، وہ سب قرون اولیٰ کے بعد کی پیداوار ہیں، اس لئے مغربی و ایشیائی معاشرتوں کے فرق کو عدم کفایت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ مشرق و مغرب میں آباد مسلمانوں کے درمیان نکاح اور قرابت کے لئے دین و ایمان اور کردار و اخلاق میں کفایت ساری کفایتوں پر مقدم ہے۔ اگر دو ملکوں یا ایک ہی ملک و بستی میں رہنے والے طرفین کے درمیان یہ شرعی کفایت معدوم ہو تو بلاشبہ سوال میں مذکور دعویٰ کرنے کا حق لڑکی کو حاصل ہے۔

۳- یہ سوال مبہم ہے۔ جب تک یہ واضح نہ ہو کہ عقد نکاح رضایاً کراہ کی حالت میں ہوا ہے اور اس رضایاً کراہ کی کیفیت کیا رہی؟ پھر کن حالات میں زن و شوئی تعلقات قائم ہوئے، یا کیوں نہیں ہوئے؟ شرعی حکم کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ البتہ فسخ نکاح کی صورت میں مہ کے وجوب و عدم وجوب کا فرق ہوگا۔

۵- فسخ کر سکتے ہیں جیسا کہ جواب نمبر ۲ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مذکور جو خفس، انصاریہ کے واقعہ پر مشتمل ہے، اس پر بین دلیل ہے۔

جبری شادی

مولانا سلطان احمد اصلاحی، علی گڑھ

۱- سوال نامہ میں درج تفصیلات کی روشنی میں صورت مسئلہ میں رضامندی کا تحقق نہیں ہوگا اور اس طرح زبردستی نکاح کے لئے کہلوایا گیا ”ہاں“ معتبر نہیں ہوگا۔ عاقلہ بالغہ لڑکی کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسے جبری نکاح کو مسترد کرتے ہوئے کفو سے اپنی پسند کا دوسرا نکاح کر سکے۔ اسلامی معاشرے پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہاں مصالح کے تحفظ کو یقینی بنائے اور جزئیات فقہ کے غلط استعمال پر قابو پائے۔ اس طرح کی صورت حال میں شرعی عدالتوں کو بھی ایسی مظلوم خواتین کی بھرپور دادرسی کرنی چاہئے۔ اپنی کتاب ”اسلام کا نظریہ جنس“ میں راقم ”جوڑ کا نکاح“ اور ”شادی میں اولیاء کا دخل“ کے عنوانات کے تحت مسئلہ کی جزئیات پر تفصیل سے لکھ چکا ہے جس کے دہرانے کی اس وقت ضرورت نہیں ہے (۱)۔

۲- صورت مسئلہ میں یہ لڑکی کی رضا اور اس کا حقیقی اذن نہیں ہوگا، اور اس کی بنیاد پر ہونے والا نکاح بھی اسی طرح غیر حقیقی اور غیر مؤثر ہوگا۔

۳- ہاں! صورت مسئلہ میں لڑکی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق ہوگا اور بر بنیاد کفایت اس کو تفریق کا اختیار حاصل ہوگا۔

(۱) مطبوعہ ادارہ علم و ادب علی گڑھ طبع دوم ۲۰۰۰ء۔

- ۴- دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔ زن و شوئی تعلقات قائم ہونے کی صورت میں رشتہ کو ممکن حد تک نبھانے کی کوشش کی جائے، دوسری صورت کا حکم اس سے مختلف ہوگا۔
- ۵- ہاں! جبر و اکراہ کا یقین ہونے کی صورت میں شرعی کونسل یا قاضی ایسے نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔

جبری نکاح

قاضی محمد کامل قاسمی
آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، نئی دہلی

اسلام نے ازدواجی رشتوں کے انتخاب کے لئے زوجین اور ان کے متعلقین کو کئی بنیادی ہدایات دی ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے یہ رشتہ ہمیشہ خوشگوار اور مستحکم رہتا ہے، مثلاً رشتہ کرتے وقت لڑکے یا لڑکی کے انتخاب میں تمہیں صحیح کی بنیاد دینداری اور حسن اخلاق ہونی چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تنکح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك“ (۱)۔ (عورت سے چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کی خاندانی خوبیوں کی وجہ سے، اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، تم دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کر لو۔ تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں) (بخاری و مسلم)۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: إذا خطب إليكم

(۱) مشکاة ۲/۲۶۷۔

من ترضون دينه و خلقه فزوجوه، إن لا تفعلوا تكن فتنة في الأرض و فساد
عريض (۱)

(جب تمہیں کوئی ایسا شخص پیغام نکاح دے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو،

تو تم اس سے نکاح کرادو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا)۔

و يندب والنظر إليها قبله (۲)۔

(نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا مندوب ہے)۔

مخطوبہ کو دیکھنے سے متعلق حضور اکرم ﷺ کے ارشادات:

(۱) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور

اس نے کہا: "إني تزوجت امرأة من الأنصار قال: فانظر إليها فإن في أعين
الأنصار شيئاً" (۳)۔

(میں نے ایک انصاری خاتون سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے

فرمایا کہ اسے دیکھ لو، اس لئے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے) (مسلم)۔

(۲) حضرت جابر سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: إذا

خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل (۴)۔

(جب تم میں سے کوئی عورت کو پیغام نکاح دے تو اگر وہ ان خوبیوں کو جو اسے اس

خاتون سے نکاح کرنے پر آمادہ کر رہی ہیں دیکھ سکتا ہو، تو اسے ایسا کر لینا چاہئے)۔

(۱) مشکاة ۲/۲۶۷۔

(۲) شامی ۲/۲۶۱، ۲۶۲۔

(۳) مشکاة ۲/۲۶۸۔

(۴) اس کی روایت ابو داؤد نے کی ہے۔ دیکھئے: مشکاة ۲/۲۶۸۔

(۳) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: خطبت امرأة

فقال لی رسول اللہ ﷺ: هل نظرت إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما“ (۱)۔

(میں نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا، تو مجھ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم

نے اسے دیکھ لیا ہے، اس لئے کہ دیکھنا تم دونوں کی الفت و محبت کے لئے زیادہ بہتر ہے)۔

اولیاء کو ہدایت کی گئی ہے کہ بالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ان کی اجازت اور رضامندی

سے کریں، اس کے بغیر نہ کریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

و إذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن

إذا تراضوا بينهم بالمعروف (۲) (اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی، پھر وہ اپنی

عدت کو پورا کر چکیں، تو ان کو اس سے نہ روکو کہ اپنے انہی خاوندوں سے نکاح کر لیں جب کہ آپس

میں دستور کے موافق راضی ہو جاویں)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لا یأیم أحق بنفسها

من و لیها و البکر تستأمر و إذنها سکو تھا (۳) (ثیبہ اپنے نفس کی، اپنے ولی سے زیادہ حق

دار ہے، باکرہ سے اجازت طلب کی جائے گی اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے:

”باب: لا ینکح الأب و غیرہ البکر و الثیب إلا برضاها“ (والد و غیرہ باکرہ

اور ثیبہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہ کریں)۔

اس کے تحت انہوں نے حدیث پیش کی ہے۔

(۱) رواہ احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی، مشکاة ۲/۲۶۹۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۳۲۔

(۳) مسلم، بحوالہ مشکاة ۲/۲۷۰۔

عن أبي سلمة أن ابا هريرة حدثهم أن النبي ﷺ قال: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا يا رسول الله: و كيف إذن؟ قال: أن تسكت" (۱)۔

(حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی صریح اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ (کنواری) لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت کیسے معلوم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا خاموش ہو جانا اس کی اجازت ہے)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ان البکر تستحیی قال: رضاها صمتها" (یا رسول اللہ ﷺ باکرہ حیا کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی رضا مندی اس کا خاموش رہنا ہے) (حوالہ سابق)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: التیمة تستأمر فی نفسها فإن صمتت فهو إذنہا و إن أبت فلا جواز علیہا۔

(یتیم لڑکی سے اس کے نفس کے متعلق اجازت چاہی جائے گی، چنانچہ اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر جبر کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے) (۲)۔

یتیمہ اس بالغ لڑکی کو کہا جاتا ہے جس کے والد کا انتقال ہو گیا ہو۔ اس حدیث میں یتیمہ سے مراد وہ باکرہ لڑکی ہے جس کے والد کا انتقال اس کے بالغ ہونے سے قبل ہو گیا ہو۔ اس

(۱) بخاری ۷۷۱۲۔

(۲) اس حدیث کی روایت ترمذی، ابو داؤد، نسائی نے کی ہے اور دارمی نے اسے حضرت ابو موسیٰ سے نقل کیا ہے (مشکاۃ ۷۷۱۲)۔

حدیث میں ایسی لڑکی کا نکاح کرنے کے لئے اس سے اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی باپ یا اور کوئی بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دے تو وہ نکاح نافذ و لازم نہ ہوگا، بلکہ اس کی رضا مندی پر موقوف رہے گا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے: أن رجلاً زوج ابنته و هي بكر من غير أمرها فأتت النبي ﷺ ففرق بينهما (۱)۔

(ایک آدمی نے اپنی باکرہ لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کر دی، وہ لڑکی نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عثمان بن مظعونؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک لڑکی چھوڑی، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ماموں قدامہ نے میرا نکاح اس سے کر دیا اور وہ اس لڑکی کے بیچا تھے۔ اور انہوں نے اس سے مشورہ نہیں کیا، یہ واقعہ اس کے والد کے انتقال کے بعد کا ہے، اس نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور لڑکی نے مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ نکاح کرانے کو پسند کیا، لہذا اس کا نکاح مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ کر دیا گیا (۲)۔

اور شامی میں ہے: وإن زوجها بغير استثمار فقد أخطأ السنة و توقف على رضاها۔ بحر عن المحيط (۳)۔

(اور اگر اس کا نکاح اجازت لئے بغیر کیا تو اس نے سنت کے خلاف کیا، اور نکاح اس کی رضا مندی پر موقوف رہے گا)۔

ذیل میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ابو داؤد شریف کے حوالہ سے آرہی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

(۱) المحلی لابن حزم ۴۶۱/۹، بحوالہ المفصل فی احکام المرأة والبيت المسلم، دفعہ ۶۰۵۱، ۴۳۶/۔

(۲) ابن ماجہ، بحوالہ تحریر المرأة فی عصر الرسالہ ج ۵/۷۱۔

(۳) شامی ۲/۲۹۸، ۲۹۹۔

عرض کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے، تو نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا۔ اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ اس کا نکاح اس کے والد نے اس سے اجازت لے کر کیا تھا یا اس کی اجازت کے بغیر۔ ابوداؤد میں اس حدیث پر درج ذیل باب قائم کیا گیا ہے: باب فی البکر یزوجها أبوها ولا یستأمرها۔ اور "بذل المجہود فی حل ابي داؤد" میں اس کی تشریح "بغیر اذنها" سے کی گئی ہے^(۱) اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اس باکرہ لڑکی کا نکاح اس کے والد نے اس کی اجازت کے بغیر کیا تھا، لہذا حضرت خنساء بنت خدام رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی اس پر محمول کیا جائے گا کہ ان کے والد نے ان کا نکاح ان سے اجازت لے کر بغیر کیا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: إن جاریة بکراً أتت رسول الله ﷺ فذکرت أن أباهما زوجها وهي کارهة، فخیرها النبی ﷺ^(۲)۔

(ایک باکرہ لڑکی نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور وہ اس نکاح کو پسند نہیں کرتی ہے، تو نبی کریم ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا)۔

حضرت خنساء بنت خدام انصاریہ سے روایت ہے: أن أباهما زوجها وهي ثیب فکرت ذلك فأتت رسول الله ﷺ فرد نکاحها^(۳)۔

(ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ ثیبہ تھیں۔ انہوں نے اس نکاح کو پسند نہیں کیا، وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئیں، آپ ﷺ نے ان کا نکاح رد کر دیا)۔

ان حدیثوں کو اس پر محمول نہیں کیا جاسکتا کہ لڑکی پر جبراً کراہ کر کے اس سے ایجاب یا

(۱) بذل المجہود فی حل ابي داؤد ۵ حصہ: ۱۰/۱۰۲ مکتبہ دارالباز، عباس احمد الباز، مکتبہ المکرمہ۔

(۲) اس حدیث کی روایت ابوداؤد نے کی ہے، مشکاة ۲/۲۷۱۔

(۳) بخاری ۲/۷۷۱، ۷۷۲۔

قبول کر لیا گیا، اس کے بعد اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی، اور اس کے اس نکاح کو ناپسند کرنے کا اظہار کرنے پر آپ ﷺ نے اس کے نکاح کو رد کر دیا ہو، یا اسے اختیار دے دیا ہو۔

ذیل میں مکرمہ کے نکاح کا حکم بیان کرنے سے پہلے اِکْرَاه کے لغوی معنی، اصطلاحی تعریف اور اس کی قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

اِکْرَاهُ كَاللَّغْوِ مَعْنَى:

اِکْرَاهُ كَاللَّغْوِ مَعْنَى بَيَانِ كَرْتِهِ هُوَ "الموسوعة الفقهية" میں ہے:

"قال في لسان العرب: أكرهته، حملته على أمر هو له كاره، و في مفردات الراغب نحوه. لسان العرب، و المصباح المنير، مادة (كره) ولخص ذلك كله فقهاؤنا بما ذ قالوا ۱: الإكراه لغة: حمل الإنسان على شئ يكرهه يقال: أكرهت فلاناً إكراهاً: حملته على أمر يكرهه"۔

"لسان العرب" میں اِکْرَاهُ کے معنی میں نے اسے ناپسندیدہ کام کرنے پر اکسایا، لکھے ہیں، "مفردات الراغب" میں بھی ایسے ہی ہے۔ "لسان العرب"، "مصباح المنير" مادہ "کرہ"..... ہمارے فقہاء نے ان سب معانی کی تلخیص کر کے فرمایا ہے کہ اِکْرَاهُ کے لغوی معنی ہیں: انسان کو ایسی چیز کے کرنے پر مجبور کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو، کہا جاتا ہے: اِکْرَاهُ فلاناً اِکْرَاهاً میں نے اسے ناپسندیدہ کام کرنے پر مجبور کیا^(۱)۔

اِکْرَاهُ كَاللَّغْوِ مَعْنَى:

"هو فعل يفعله الإنسان بغيره فيزول به الرضا" زاد في "المبسوط":

(۱) مجمع الانهر ۶/۴۱۲، شامی ۵/۸۰، بحوالہ الموسوعة الفقهية ۶/۹۸۔

أو يفسد به اختياره من غير أن تنعدم به الأهلية في حق المكره ، أو يسقط عنه الخطاب“^(۱)۔

(اکراہ ایسا فعل ہے جسے انسان دوسرے کی وجہ سے کرتا ہے، لہذا اکراہ کی وجہ سے مکرہ کی رضا مندی جاتی رہتی ہے۔ ”المبسوط“ میں اضافہ کیا ہے: یا اکراہ کی وجہ سے مکرہ کی اہلیت ختم ہوئے بغیر اس کا اختیار بیکار ہو جاتا ہے، یا مکرہ سے خطاب ساقط ہو جاتا ہے)

اکراہ کی قسمیں:

فقہاء کرام نے اکراہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ۱۔ تام، ۲۔ ناقص۔

اکراہ تام:

و أما بيان أنواع الإكراه فنقول: إنه نوعان: نوع يوجب الإلجاء والاضطرار طبعاً كما لقتل والقطع و الضرب الذي يخاف فيه تلف النفس أو العضو قل الضرب أو كثر..... وهذا النوع يسمى إكراهاً تاماً^(۲)۔

(جہاں تک اکراہ کی قسموں کی وضاحت کا تعلق ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اکراہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں مکرہ کا طبعاً مجبور و مضطر ہونا لازم آتا ہے، جیسے مکرہ کو قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو کاٹنے، یا ایسی پٹائی کرنے کی دھمکی دینا، جس سے جان جانے یا عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، پٹائی کم ہو یا زیادہ، اس قسم کا نام اکراہ تام ہے)۔

اکراہ ناقص:

و نوع لا يوجب الإلجاء و الاضطرار و الحبس و القيد و الضرب

(۱) البحر الرائق ۸/۷۰۔

(۲) بدائع الصنائع ۷/۱۷۵۔

الذی لا یخاف منه التلف، ولیس فیہ تقدیر لازم و هذا النوع من الإکراه یسمى إکراهاً ناقصاً^(۱)۔

(دوسری قسم وہ ہے جس میں مکرہ کا مجبور و مضطر ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ اس قسم میں قید کرنے، بیڑی ڈالنے اور ایسی پٹائی کرنے کی دھمکی دینا ہے جس سے جان جانے یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اس میں کوئی مقدار ضروری نہیں ہے۔ إکراه کی اس قسم کا نام کراه ناقص ہے)۔

إکراه کے ساتھ صحیح ہونے والے تصرفات:

فا لطلاق والعقاق والرجعة والنکاح والیمین والنذر والظہار
هذه التصرفات جائزة مع الإکراه عندنا^(۲)۔

(طلاق، عقاق، رجعت، نکاح، قسم، نذر اور ظہار وغیرہ ایسے تصرفات ہیں جو حنفیہ کے نزدیک إکراه کے ساتھ (نہ چاہتے ہوئے کر لینے سے بھی) جائز ہو جاتے ہیں)۔

مکرہ کے نکاح کا حکم:

مکرہ کا نکاح و طلاق وغیرہ تصرفات صحیح ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ مکرہ سے إکراه کی صورت میں اس کی صرف طبعی رضا مندی جاتی رہتی ہے۔ وقوع طلاق کے لئے طبعی رضا مندی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ مذاق میں طلاق دینے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، حالانکہ طلاق دینے پر وہ طبعاً راضی نہیں ہے۔

لأن الفاتت بالإکراه لیس إلا الرضا طبعاً، وإنه لیس بشرط لوقوع

(۱) بدائع الصنائع ۷/۱۷۵۔

(۲) بدائع الصنائع ۷/۱۸۲۔

الطلاق . فإن طلاق الهازل واقع و ليس براض به طبعاً^(۱) .

صحت نکاح کے لئے عاقدین میں سے ہر ایک کا دوسرے کے لفظ کو سننا شرط ہے۔
حقیقی رضا مندی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ نکاحِ اِکْرَاه اور مذاق میں کرنے سے صحیح ہو جاتا ہے۔
(و شرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (قوله: ليتحقق
رضاهما) أي ليصدر منها ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقة الرضا غير
مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل^(۲) .

نکاح و طلاق کے مذاق میں صحیح ہونے کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "ثلاث
جد هن جد و هن لهن جد: النكاح و الطلاق و الرجعة"
(تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور ان میں مذاق کرنا بھی سنجیدگی
ہے: نکاح، طلاق اور رجعت)۔

اس لئے بھی کہ نکاح ایک قوی تصرف ہے، لہذا اس میں اِکْرَاه مؤثر نہیں ہوگا، جیسے
طلاق اور عتاق پر اِکْرَاه کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

ولأن النكاح تصرف قولي فلا يؤثر فيه الإكراه كالطلاق والعتاق^(۳) .
جب نکاح میں اِکْرَاه مؤثر ہی نہیں ہوگا تو اِکْرَاه کے ذریعہ ہونے والا نکاح اور وہ نکاح
جو بغیر اِکْرَاه کے ہو، دونوں کا حکم ایک ہی رہے گا، یعنی دونوں قسم کے نکاح صحیح ہو جائیں گے۔
۱- یہ صورت حقیقی رضا مندی میں تو شامل نہیں ہوگی، البتہ اس صورت میں اس کے نکاح
کے لئے ہاں کہہ دینے سے نکاح منعقد ہو جائے گا، اس لئے کہ صحت نکاح کے لئے حقیقی
رضا مندی شرط نہیں ہے۔ اس لئے کہ نکاح مذاق میں کرنے سے اور زبردستی کرنے سے بھی
ہو جاتا ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۷ / ۱۸۲۔

(۲) شامی ۲ / ۲۷۱۔

(۳) بدائع الصنائع ۷ / ۱۸۳۔

۲- عاقلہ بالغہ خاتون کو اپنے نفس کا پورا اختیار حاصل ہے، اس اصول کا تعلق نکاح کے سلسلہ میں انعقاد نکاح سے پہلے کے حالات سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اختیار و رضامندی کے بغیر اس کے نفس کے متعلق کسی کو کوئی تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ نکاح کے انعقاد میں اِکراہ مؤثر نہیں، اس اصول کا تعلق اس صورت سے ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر اِکراہ کر کے اس سے نکاح کے لئے ہاں کہلوایا جائے، تو نکاح کے لئے ہاں کہلوانے پر اس اِکراہ کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس عاقلہ بالغہ لڑکی نے بغیر اِکراہ نکاح کے لئے ہاں کہا ہے۔ لہذا اس سے نکاح صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ نکاح کے انعقاد میں اِکراہ مؤثر نہیں ہے، مگرہ کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

ہاں اگر زبان سے نکاح قبول نہیں کرایا گیا اور زبردستی نکاح نامہ وغیرہ پر دستخط کرائے گئے تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔

۳- سوال ۱۰۷ میں جس قسم کے نکاح کا ذکر ہوا ہے، اگر اس میں شوہر خاتون کا کفو ہو اور مہر، مہر مثل یا اس سے زیادہ مقرر ہو اور زوجین کے مابین ازدواجی تعلقات قائم ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، دونوں صورتوں میں یہ نکاح صحیح و لازم ہو جائے گا۔

اگر اس نکاح میں شوہر اس خاتون کا کفو ہو لیکن مہر، مہر مثل سے کم مقرر کیا گیا ہو۔ اور خاتون مہر مثل سے کم پر راضی نہ ہو اور زوجین کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں تو یہ خاتون قاضی کے پاس کیس کر کے تفریق کرانے کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر زوجین کے مابین زن و شوئی کے تعلقات قائم ہو گئے ہوں، چاہے بیوی کے شوہر کو جماع پر قدرت دینے کی وجہ سے یا شوہر نے زبردستی اس سے جماع کر لیا ہو، دونوں صورتوں میں بیوی کا حق تفریق باطل ہو جائے گا۔ مہر کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر تفریق بیوی کے مطالبہ پر باہم زن و شوئی کے تعلقات قائم ہونے سے پہلے ہوئی ہو تو بیوی کو کچھ نہیں ملے گا۔

اگر ازدواجی تعلقات قائم ہو گئے اور یہ تعلقات بیوی کی رضا مندی سے ہوئے تو بیوی کو صرف مقررہ مہر ملے گا، خواہ وہ مہر مثل سے کتنا ہی کم ہو۔ اور اگر شوہر نے زبردستی اس کے ساتھ جماع کیا تو بیوی پورے مہر مثل کی حق دار ہوگی۔

اگر اس نکاح میں شوہر اس کا کفو نہ ہو اور بیوی عدم کفایت کی صورت میں اس کے ساتھ رہنے پر نہ صراحتہً راضی ہو اور نہ دلالتہً تو وہ قاضی کے پاس مقدمہ کر کے تفریق کر سکتی ہے، بشرطیکہ باہم ازدواجی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں یا شوہر زبردستی جماع کر لے۔ بیوی اپنی مرضی سے شوہر کو جماع پر قدرت نہ دے۔ اگر بیوی عدم کفایت کے باوجود شوہر کے ساتھ رہنے پر صراحتہً رضا مندی کا اظہار کر دے یا دلالتہً، مثال کے طور پر شوہر کو جماع پر قدرت دے دے تو اس کا حق تفریق ختم ہو جائے گا۔

۵۔ اس صورت میں جواب ۴ کی تفصیل کے مطابق مہر مثل میں کمی یا عدم کفایت کی بنیاد پر شرعی کونسل یا قاضی ان کے درمیان تفریق کر سکتے ہیں، یا شوہر سے زبردستی طلاق دلوا سکتے ہیں۔

جبری شادی

ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی

میسور، کرناٹک

۱- اسلامی معاشرہ کے ازدواجی سکون و طمانیت مزاج و مذاق کے توہفق پر حاصل ہوتے ہیں، شرعی طور پر جبری نکاح کی اجازت نہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن آیاتہ ”أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إليها وجعل بینکم مودة ورحمة إن فی ذلك لایة لقوم یتفکرون“^(۱)۔

اسی لئے عاقلہ بالغہ لڑکی کے نکاح میں شریعت نے رضا مندی کو بہت اہمیت دی ہے:

”ولا یجبر الولی بالغہ ولو بکراً“^(۲) (بالغہ پر خواہ وہ باکرہ ہی ہو ولی جبر نہیں

کرے گا)۔

اور قدوری میں ہے:

”ولا یجوز للولی إجبار البالغۃ العاقلۃ“ (بالغہ عاقلہ پر ولی کے لئے جبر کرنا

جائز نہیں ہے)۔

(۱) سورہ روم ۲۱۔

(۲) ہدایہ، باب الولی۔

شرعی طور پر ولی کو جبر و اکراه کی اجازت نہیں ہے: ”وإن أبت لم يزوجها“ (اگر لڑکی انکار کر دے تو ولی اس کی شادی نہیں کرائے گا)۔

۲- شریعت میں عاقلہ بالغہ کو اپنے نفس کا پورا اختیار حاصل ہے، عدم رضا مندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، ڈرانا دھمکانا اور دھوکہ دے کر نکاح پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں، نتیجتاً اس قسم کے نکاح کا انجام برا ہوتا ہے اور اگر گنہ گاری پر اتر جائے تو معاشرہ گندہ اور بدنام ہوگا۔

۳- بے جوڑ شادیوں میں معاشرتی سکون مفقود ہو جاتا ہے، لڑکی کو حق کفایت کی بناء پر تفریق کا حق حاصل ہوتا ہے۔

”الكفاءة تعتبر في النسب والدين والمال“^(۱) (کفایت کا اعتبار نسب، دین اور مال میں ہے)۔

۴- بالغہ کے لئے اجبار نکاح میں فساد کا امکان ہے، خواہ نکاح کے بعد زن و شوئی تعلقات قائم رہیں یا نہ رہیں۔

۵- زوجین کے مزاجی تفاوت و تنفر سے شرعی کونسل یا قاضی کو نسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔

(۱) باب النکاح، قدوری۔

جبری شادی

مفتی شیر علی گجراتی

۱- انعقاد نکاح کے سلسلے میں تو اس کو رضامندی ہی مانا جائے گا، اس لئے کہ اکراہ کے باوجود زبان سے قبول کرنے اور رضامندی ظاہر کرنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے^(۱)۔

حقیقی رضامندی نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط یا ضروری نہیں معلوم ہوتی، جیسے باپ یا دادا صغیر یا صغیرہ کا نکاح کر دیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، حالانکہ ان کی رضامندی اس وقت تو معلوم ہی نہیں اور آئندہ اگر وہ اپنی عدم رضامندی کا اظہار کریں تب بھی ان کو اختیار نہیں ہے۔

۲- اذن ہی تسلیم کیا جائے گا اور نکاح منعقد ہو جائے گا، اس لئے کہ نکاح ان امور میں سے ہے جن میں جد اور ہزل دونوں برابر ہیں اور ایسے امور میں اکراہ کا کوئی حکم نہیں ظاہر ہوگا^(۲)۔

”والأصل عندنا أن كل ما يصح مع الهزل يصح مع الإكراه، لأن ما يصح مع الهزل لا يحتمل الفسخ، وكل ما لا يحتمل الفسخ لا يؤثر فيه الإكراه“^(۳)

(۱) عالمگیری ۵/۵۳ کتاب الإكراه۔

(۲) حوالہ سابق

(۳) درمختار برشامی ۹/۱۹۱ کتاب للاكراه۔

(ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ ہر وہ تصرف جو ہزل کے ساتھ صحیح ہو، وہ اِکْرَاه کے ساتھ بھی صحیح ہوتا ہے، اس لئے کہ جو ہزل کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا ہے اس میں فسخ کا احتمال نہیں ہوتا ہے اور جس میں فسخ کا احتمال نہیں ہوتا اس میں اِکْرَاه مؤثر نہیں ہوتا ہے)۔

۳- فقہاء کرام نے جن نو امور میں کفایت کا اعتبار کیا ہے ان میں سے معاشرتی اعتبار سے

دونوں کا کفو ہونا نہیں ہے، اس لئے کفایت کی بنیاد پر حق تفریق کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

۵- قاضی یا شرعی کونسل کو بظاہر اس کے نکاح کے فسخ کرنے کا محض اس بنیاد پر حق نہیں ہوگا

الا یہ کہ فسخ نکاح کے اسباب شرعیہ میں سے کوئی سبب پایا جائے۔

جبری شادی

مولانا محمد یعقوب قاسمی

جامعہ عربیہ امداد العلوم زید پور بارہ بنکی

۱- اگر بالغہ عورت حالت اکراه میں زبان سے اپنے نکاح کی اجازت دے دے اگرچہ دل سے راضی نہ ہو تو شرعاً نکاح ہو جاتا ہے۔

”لأنه يصح النكاح مع الإكراه أي الإيجاب أو القبول مكرها“^(۱)۔

(اس لئے کہ نکاح اکراه کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے ایجاب ہو یا قبول ہوز بردستی، دونوں

حالتوں میں نکاح درست ہو جاتا ہے)۔

شامی ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

”إذ حقيقة الرضا غيظ مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل

النخ“^(۲)۔

(کیونکہ نکاح میں حقیقی طور پر رضامندی شرط نہیں ہے اس لئے کہ نکاح زبردستی اور

مذاق میں بھی صحیح ہو جاتا ہے)۔

۲- اگر لڑکی کو نکاح کے لئے زد و کوب کیا گیا اور اس نے ڈر کی وجہ سے نکاح کے کاغذات

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/۳۱۳۔

(۲) شامی ۲/۳۷۳۔

پر دستخط کر رہے اور دل سے اس نکاح سے بیزار ہے اور نکاح کے متعلق زبان سے کوئی لفظ ادا نہیں کیا تو ایسی صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا جیسا کہ طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی^(۱)۔

بالغہ عورت کا زبردستی نکاح کر دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے جیسا کہ کتب فقہ میں اور احادیث نبویہ میں مذکور ہے:

”ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ الخ“^(۲)۔

(بالغہ لڑکی پر نکاح کے سلسلہ میں زبردستی نہ کی جائے، کیونکہ لڑکی کے بالغ ہو جانے کی وجہ سے ولایت ختم ہو جاتی ہے)۔

فتاویٰ ہند یہ میں مذکور ہے:

”لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكرة كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردتته بطل“^(۳)۔

(باپ دادا اور بادشاہ میں سے کسی کے لئے بالغ صحیح العقل کا نکاح کرنا اس کی اجازت کے بغیر درست نہیں۔ بالغہ باکرہ ہو خواہ ثیبہ ہو اگر کسی نے نکاح کر دیا تو نکاح بالغہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو نکاح صحیح ہوگا ورنہ باطل ہوگا)۔

احادیث نبویہ میں زبردستی نکاح کے منعقد نہ ہونے کے متعلق متعدد احادیث موجود

ہیں:

(۱) فتاویٰ عالمگیریہ ۱/۶۳۔

(۲) درمختار ۲/۲۱۰۔

(۳) عالمگیری ۲/۱۳۔

”جاءت امرأة إلى رسول الله ﷺ فقالت: إن أبي أنكحنى رجلا وأنا
كارهة فقال لأبيها: لانكاح اذهي فانكحي من شئت“ (۱)۔

(ایک عورت نے حضور ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے ماں باپ نے
میری شادی ایک مرد کے ساتھ کر دی ہے حالانکہ میں اس کو پسند نہیں کرتی تو اس کے باپ سے
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے نکاح کا اعتبار نہیں تو جا اور جس سے چاہے نکاح کر)۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

”لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن“ (۲)۔

(بے شوہر عورت کا نکاح مشورہ کے بغیر اور باکرہ کا نکاح اجازت کے بغیر نہ
کیا جائے)۔

حدیث اس باب میں بالکل صریح ہے کہ ثیبہ اور باکرہ کسی پر اجباراً شرعاً درست نہیں
ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

”أن جارية أتت النبي ﷺ فذكرت أن أباهما زوجها وهي كارهة
فخبرها النبي ﷺ“ (۳)۔

(ایک باکرہ لڑکی حضور ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اس کے باپ نے اس کی
شادی اس کی مرضی کے بغیر کر دی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو نکاح کے معاملہ میں اختیار
دیا)۔

مشکاۃ شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: ”أن النبي ﷺ ”ردنكاح ثيب
وبكر أنكحهما أبوهما وهما كارهتان“ (۴)

(۱) دراہ ۲/۲۹۳۔

(۲) بخاری ۲/۷۷۱۔

(۳) ابوداؤد شریف ص ۲۸۵، ۲۸۶۔

(۴) مرقاة شرح مشکاۃ ۶/۲۰۸، ۲۰۹۔

(نبی ﷺ نے ایک شیبہ اور ایک باکرہ کا نکاح رد فرما دیا جن کے والدین نے ان کی مرضی کے بغیر زبردستی ان کا نکاح کر دیا تھا)۔

۳- صورت مسئولہ میں چونکہ بالغ لڑکی کی شادی غیر کفو میں ہوئی ہے، اس لئے اس کو کفو میں شادی نہ ہونے کی وجہ سے حق تفریق حاصل ہوگا، کیونکہ جمہور کے نزدیک کفو ت اولیاء اور بالغ دونوں کا حق ہے۔

”ولكن الكفاءة عند الجمهور حق للمرأة والأولياء“^(۱)۔

(لیکن کفو ت جمہور کے نزدیک لڑکی اور اولیاء دونوں کا حق ہے)۔

۴- مذکورہ نکاح میں اگر زن و شوئی کے تعلقات قائم ہو گئے تو پھر حق کفو ت و حق تفریق لڑکی کو حاصل نہ ہوں گے، البتہ اگر اس نکاح میں زن و شوئی کے تعلقات قائم نہیں ہوئے ہیں اور لڑکی تاہنوز اس نکاح سے بیزار رہے اور اظہار کرتی ہے تو ایسی صورت میں لڑکی کو حق کفو ت و حق تفریق دونوں حاصل ہوں گے۔

۵- ایسی حالت میں قاضی اس نکاح کو حسب ضرورت فسخ کر سکتا ہے۔

(۱) زاد المعاد ۵/۱۶۱۔

Environmental
Issues

The Islamic concept
OF
ANIMAL SLAUGHTER



قادی کاغذی

SHARAH GUIDANCE
AIDS

CLOWNING
The Light Of Shariah

تعمیر کے لیے قرض کا حصول
اسلامی نقطہ نظر

اسلام
من عالم



702

IFA Publications

161-F, Jogabai, Jamia Nagar,
New Delhi-110025

Tel/Fax: 011-26983728

E-mail: ifapublications@gmail.com

Marfat.com